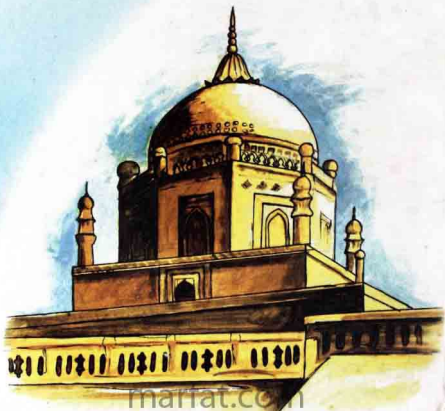


حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حکیم مرزا صفدر بیگ



حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حکیم مرزا صفر بیگ

بک کارنر پرنٹرز پبلشرز مین بازار جہلم

فون نمبر دکان: 624306 فون نمبر ہاٹل: 614977

ای میل: Bookco.merjm@yahoo.co.in

marfat.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب حضرت جنید بغدادی رتہ اللہ علیہ
 مصنف مولانا حکیم مرزا صفدر بیگ
 نظر ثانی چودھری عمران اصغر
 اشاعت 2003ء
 کمپوزنگ عیگن شاہد
 سرورق امر شاہد
 مطبع فرینڈز پرنٹرز جبلم
 قیمت 150 روپے

100/=

ملنے کا پتہ

اردو بازار لاہور	مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار لاہور	اسلامی کتب خانہ
اردو بازار لاہور	کتب خانہ شان اسلام
اردو بازار لاہور	کتب خانہ خورشیدیہ
چیمبر جی روڈ اردو بازار لاہور	حق پبلشرز
اردو بازار لاہور	عوامی کتاب گھر
اردو بازار لاہور	خزینہ علم و ادب
راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور	گوہر پہلی کیشنرز
لوئر مال لاہور	ذعا پبلشرز
اردو بازار لاہور	لاہور اسٹیشنرز

marfat.com

Marfat.com

انتساب

محترم اعظم صاحب

مقیم دربار عالیہ عبداللہ شاہ غازی کے نام !!!

مرزا صفدر بیگ

marfat.com

Marfat.com

تاریخ الخلفاء

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی مشہور و معروف تصنیف
تاریخ الخلفاء کا جدید اور آسان اردو زبان میں ترجمہ

مترجم: مولانا حکیم مرزا صفر بیگ

بک کارنر پرنٹرز پبلشرز مین بازار جہلم

فون نمبر دکان: 624306 فون نمبر ہائس: 614977

marfat.com

Marfat.com

فہرست

7	سخبائے گفتنی	✽
13	پیش لفظ	✽
18	ولادت	✽
19	تعلیم و تربیت	✽
24	علم تصوف	✽
34	حضرت معروف کرخیؒ	
36	ابو جعفر محمد ابن علی القصابؒ	
38	ابن الکرنبیؒ	
39	القنطریؒ	
39	ابو حفص الحدادؒ	
42	یحییٰ ابن معاذ الرازیؒ	
43	یوسف ابن حسین رازیؒ	
44	شخصیت	✽
55	حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات و نظریات	✽
167	بغداد کا مدرسہ تصوف	✽
173	حضرت جنید بغدادیؒ کے رفقاء	✽
173	ابو الحسن احمد ابن محمد النوری الخراسانیؒ	
176	ابوسعید الخرازؒ	
177	ابن عطاء العدنیؒ	

178	ابومحمد زویم ابن احمدؒ	
179	ابوحزہ بغدادیؒ	
180	عمرو بن عثمان المکیؒ	
182	محمد ابن اسماعیل خیر الساجؒ	
184	ابواحمد مصعب القلائیسیؒ	
184	احمد ابن مسروقؒ	
186	حضرت جنید بغدادیؒ کے شاگرد	✽
186	ابواحمد ابن الحسین الجریؒ	
187	ابوبکر شبلیؒ	
189	ابوالمغیث حسین بن منصور حلاجؒ	
194	جعفر الخلدیؒ	
196	حضرت جنید بغدادیؒ کی تصانیف	✽
199	وفات	✽

سخنہائے گفتنی

مُبْسِمًا وَحَمْدًا لَا وَمُضْلِيًا!

فاما بعد! حضرت مصلح الدین شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

رحمۃ واسعۃ الی یوم القیامہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

عُذْرٌ مَنْ صَنَّفَ وَقَدْ اسْتَهْدَفَ

ترجمہ: ”میرا عذر (کچھ یہ ہے کہ) جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنا۔“

کچھ بھی دنیا کا دستور بھی ہے۔ جب سورج طلوع ہو چکتا ہے تو وہ

چھپائے چھپ نہیں سکتا۔ چھپے کیسے وہ بذاتِ خود ہی تو اپنے وجود کا مصداق

مصداق ہے بقول کے۔

”گر نہ بیند شپورہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ است“

تو مصنف یا مولف کتاب ہذا کا عنوان کتاب یا یوں کہئے کہ موضوع

کتاب ہی اُن کی قلبی کیفیات اور فکری انجذاب کا بہترین خزینہ ہے بقول

شاعر۔

اَلنِّیُّ هُوَ گَیْسٌ سَبَّ مَدْبِیْرٍ کَچھ نہ دواء نے کام کیا

دیکھا! اس بیماریِ دل نے کیسا کام تمام کیا

بہر حال ایسا لگتا ہے کہ مصنف کتاب کو بھی کچھ ”بیماریِ دل“ نے ہی

یہ کام تمام کرنے پر آمادہ کر لیا ہو۔

مختصراً یہ کہ فکری و عملی قوتیں اگر دونوں یکجا ہو جائیں تو پھر کچھ نہ

پوچھے نتائج تو خود خطرِ جاہ و منزل کے مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔

”تصوف MYSTICISM“ کیا چیز ہے؟ اس کے اصول و مبادیات کیا ہیں؟ اس کے مناسب نفوس و باطن کے تزکیہ کے کون کون سے مراحل ہیں؟ اور اس سلسلہ کے مراحل کیلئے کس قدر ریاضیات شاقہ اور پھر بالآخر کس قدر مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے؟ اور پھر تصوف و سلوک و حقیقت و معرفت ربانی کے حصول کیلئے کون کون سے عنوانات ہیں کہ جن پر مدت العمر ڈیرے ڈال کر بیٹھنا پڑتا ہے اور پھر کسی ایسے شیخ وقت کی ضرورت تو بہر حال مسلمہ ہے کہ جو اس راہ میں اپنے علمی و عملی کمالات و مجاہدات و خاص طور پر مجتہدانہ بصیرت سے ایک طالب صادق کو اس خاکدانِ ارضی سے اٹھا کر تصوف و سلوک و حقیقت و معرفت ربانی کے اوجِ ثریا سے ہمکنار کر دے یقیناً اس مقصد کیلئے شیخِ کامل کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور دوسری جانب طلب صادق کی۔ بغیر روحانی بصیرت کے یہ مقام ہاتھ آتا نہیں مجرد عقل و فکر یہاں پر بے کار محض ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب مرحوم و مغفور نے کیا خوب نشاندہی فرمائی ہے۔

گر بہ استدال کارے دیں بودے

فخر رازیؒ رازدار دیں بودے

پائے استدالیایں چو میں بود

پائے چو میں سخت بے تمکین بود

نور حق از سینہ سینا مجو!

روشنی از چشم ناپینا مجو!

اقبالؒ

marfat.com

Marfat.com

تو نور حق کی تلاشی لگا ہیں ہمیشہ کسی ایسی ہستی کی تلاشی ہوا کرتی ہیں کہ جو اسے اس مجازی حیات میں ہی نور حق کے تجلّی سے براہ راست مستفیر کر سکے، تو اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام و علی آلہ و اصحابہ اجمعین الی یوم القیامۃ کی شخصیات تھیں کہ جو براہ راست نور حق کے تجلّی سے مستفیر ہوا کرتی تھیں۔ ازاں بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدسی نفوس تھے کہ جو ”أَصْحَابِي كَالنَّجُومِ بِأَيْهِمْ أَقْتَدِيْتُمْ اهْتَدِيْتُمْ!“ ”میرے صحابہ ﷺ ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے!“

(حدیث رسول ﷺ) کے پروانہ ہدایت سے شاد کام ہوئے۔
ازاں بعد حضرات تابعین و تبع تابعین کی مقدس جماعتیں ہیں کہ جو عرفانِ شریعت و طریقت کے مجتہدات، فکر و عمل کی ہر دو جہتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے تھے۔

”آمدم بر سر مطلب کے مصداق“

”اسلامی تصوف ISLAMIN MYSTICISM“ کی تاریخ

میں عروس البلاد بغداد کا ”توحیدی مدرسہ تصوف“ کہ جو تیسری صدی ہجری کی زوال پذیر عباسی حکومت و سلطنت کے پایہ تخت میں قائم ہو چکا تھا اور تصوف و سلوک و حقیقت و معرفت کے عنادین کے علمی و نظری و عملی مباحث نیز مجتہدانہ بصیرت کے پیش نظر ایک نہایت اہم دور کی علمی و فکری و عملی نمائندگی کرتا ہے۔ حضرت جنید بغداد علیہ الرحمۃ کی شخصیت اسی اہم مکتبہ فکری بھرپور نمائندہ شخصیت ہے۔

حضرت شیخ جنید بغدادی کے اساتذہ و شیوخ کرام کون کون سی حیثیات کی حامل شخصیات تھیں۔ حضرت جنید بغدادی نے ان سے بہر طور کیا عملی و نظری و علمی مباحث کئے اور ان سے کہاں تک مستفید ہوئے اور پھر اپنے دور میں اس بغداد کے صوفی مکتبہ فکر کی کہاں تک بھرپور نمائندگی کی، نیز یہ کہ اُس دور کے متصوفانہ عناوین کے بنیادی مباحث کیا تھے اور پھر یہ عناوین بذات خود کیا کیا تھے مثلاً:

- ۱۔ عقیدہ توحید
- ۲۔ نظریہ میثاق
- ۳۔ نظریہ فنا
- ۴۔ نظریہ بحالی ہوش (صحو)
- ۵۔ معرفت الہی
- ۶۔ جنید بغدادی کے پیش نظر مذکورہ بالا عناوین کے تحت فلسفہ و حکمت کے عمدہ استخراج سے کون کون سے متصوفانہ اور بالآخر متفلسفانہ مباحث و مباحث نے جنم لیا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ والفران کی شخصیت پر آج تک مختصر اور مبسوط طور پر بہت کچھ خامہ فرسائی کی جا چکی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے ملک کے ماشاء اللہ فاضل نوجوان جناب حکیم مرزا صفدر بیگ صاحب مدظلہ کی تالیف یا تصنیف کہئے ”حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ“ بھی ہے۔

کتاب زبان و بیان نیز موضوعات کی مناسبت کے لحاظ سے حضرت

جنید بغدادی کے موضوع پر ایک اچھوتی تصنیف ہے جو کہ بذاتِ خود مصنفِ کتاب کے علمی و عملی و دینی رجحانات کی غماز ہے نیز قلبی رجحانات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔

کتاب ہذا کے ”پیش لفظ“ نیز ابواب کے عنوانات سے کتاب کی اہمیت کا نہایت عمدہ طور پر احساس اُجاگر ہوتا ہے۔ کتاب بہر طور لائقِ مطالعہ ہے اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ کتاب ہذا جلد از جلد زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہو کر قارئینِ کرام کے قلبی و روحانی انجذاب نیز سکون کا باعث ہوگی۔ مصنفِ کتاب کو اللہ تعالیٰ رب العزت نے حسن صورت و حسن سیرت ہر دو سے یکساں نوازا ہے نیز سلفِ صالحین کے طریقہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

یہ ہنچد ان! بارگاہِ اللہ رب العزت میں دستِ بدعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے محبوب ﷺ کے توسل سے مصنف کی کتاب ہذا کو شرفِ قبولیت سے نوازے، نیز ذخیرۂ عاقبت بنا دے۔ آمین

مصنف کتاب ہذا کی کتب میں سے حسبِ ذیل کتب پیشتر ازیں مطبوعہ چلی آتی ہیں اور لائقِ مطالعہ ہیں۔

☆ جنسی مسائل، اپنا علاج خود کیجئے!

☆ شادی کے ابتدائی ایام

☆ حمل سے پیدائش تک

☆ پھلوں اور سبزیوں سے علاج

اور موجودہ کتاب ”حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ“

پیش لفظ

تصوف ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر لکھنا انتہائی مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اس کا کچھ اندازہ تو مجھے پہلے سے تھا۔ مگر جب اس کتاب کے سلسلہ میں میں نے کام شروع کیا تو میرا اس حقیقت پر یقین اور پختہ ہو گیا کیونکہ تصوف پر اس وقت تک کچھ نہیں لکھا جا سکتا جب تک اس موضوع پر ذاتی طور پر ریسرچ نہ کی جائے۔

اہل تصوف کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب

کہا ہے!

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
اور یہ بھی کہ!

تمنا دردِ دل ہو تو کر خدمتِ فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یہ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونقِ انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

تصوف کے بارے میں کچھ عرض کرتا چلوں۔ اس بارے میں مختلف اقوال ملتے ہیں مثلاً تصوف صوف سے بنا ہے جس کا مطلب ہے ”اُون کا

لباس۔“

عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ لکھتے ہیں کہ ”حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ غلام کی دعوت قبول فرمالتے تھے، سواری کے لئے آپ ﷺ گدھا استعمال فرماتے تھے اور صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے۔“ اس وجہ سے بعض لوگوں نے اس لباس کی ظاہری نسبت سے صوفیاء نام رکھ دیا اور انہوں نے صوف کا لباس اس لئے اختیار کیا کہ وہ ہلکا اور ملائم ہوتا ہے اور انبیاء الطیبینؑ کا پہناوا رہا ہے۔ حضور ﷺ کا ایک ارشاد یہ ہے کہ

”إِنَّ عَيْسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَلْبَسُ الصُّوفَ وَالشُّعْرَ“

”حضرت عیسیٰؑ صوف اور بالوں کا لباس پہنا کرتے

تھے۔“

حضرت حسن بھریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر ایسے اصحاب بدر کو دیکھا ہے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے۔

تصوف کی دوسری وجہ شہرت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان حضرات کو صوفیاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی علوہمت اور اس سے دلی تعلق رکھنے اور اس کے سامنے اپنی باطنی اسرار پیش کرنے کے باعث ”صفِ اول“ میں ہیں۔ اس سے صوفی اور پھر تصوف بنا ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صوفیاء، صفہ سے بنا ہے جو رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں غریب اور نادار مہاجرین کے رہنے کے لئے ایک چپو ترہ تھا۔ ان حضرات کو اصحاب صفہ کہتے تھے۔

marfat.com

بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ تصوف یا صوفی، صفا سے نکلتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے نفسوں کو ہر چیز (اس کی خواہشات وغیرہ) سے صفا یعنی پاک کر لیتے ہیں اس لئے انہیں اصحاب صفا یا صوفی کہتے ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ہمیں بظاہر شریعت اور طریقت (تصوف) میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دور کی کتب کے اندر شرعی اور طریقت کے مسائل و فضائل کو ایک ہی جگہ یکجا کر کے بیان کیا گیا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے آخری نصف حصہ میں تصوف کے موضوع پر باقاعدہ الگ سے مسائل و فضائل اور تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس بارے میں ہمیں حضرت جنید بغدادیؒ کی ہی شخصیت نظر آتی ہے جنہوں نے اس موضوع کے باقاعدہ قواعد و ضوابط مرتب کئے اور اس سلسلے میں باقاعدہ تصانیف مرتب کیں۔ ہمارا موضوع اسی شخصیت کی حیات مبارکہ کو قلم بند کرنا اور ان کی تعلیمات و نظریات کو بیان کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں چند لوگوں کا شکریہ نہ ادا کرنا میرے نزدیک قرین انصاف نہیں ہوگا کہ ان کی دلچسپی اور کوششوں سے اس کتاب کو عملی جامہ پہنانے میں مدد ملی۔ سب سے پہلے تو میں اپنے نہایت عزیز دوست و محبی چودھری عمران اصغر کا مشکور ہوں جس نے اس پر نظر ثانی کی اور بہت سی عربی عبارات کی تصحیح میں ناصرف مدد کی بلکہ ساتھ ساتھ مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ اس کے علاوہ محمد عمران جس نے کتاب کے کچھ نوٹ میرے بیان کرنے پر تحریر کئے اور اس کے علاوہ نامور آرٹسٹ اور مقبول شاعر جناب محترم عزیز دہلوی صاحب جنہوں نے حضرت جنید بغدادیؒ کی تصنیف معالی اللہم



شیخ المشائخ امام الائمہ شریعت ابو القاسم جنید بن محمد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو القاسم، لقب سید الطائفہ، طاؤس العلماء، قواریری اور زجاج ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد ایران کے صوبہ جبال کے شہر نہاوند کے رہنے والے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسے سن ۱۷ اور ۲۱ ہجری کے درمیانی عرصہ میں فتح کیا گیا۔ یہ شہر فتح سے قبل ایک بہت بڑا خزانہ رکھنے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ ایرانی مصنفین کے مطابق نہاوند ایک خوبصورت شہر تھا۔ اور ایران کا سردترین مقام تھا۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کا خاندان کب وہاں منتقل ہوا۔

حضرت جنید کے والد قواریری کہلاتے تھے۔ قواریری کا مطلب ہے شیشہ گر۔ آپ کے ماموں حضرت سری سقطیؒ ایک بہت مشہور بزرگ تھے۔ سری آپ کا نام تھا اور سقطی کا مطلب ہے سالہ فروش۔ آپ سالے کے سوداگر تھے۔

حضرت جنید بغدادی خزانج کے نام سے پکارے جاتے تھے جس کے معنی ہیں خام ریشم کا سوداگر۔ چونکہ آپ کا خاندان سوداگری کرتا تھا اس لئے آپ کی پرورش سوداگری کے ماحول میں ہوئی۔ آپ کے بچپن کے بہت کم واقعات ملتے ہیں۔ صرف اس قدر معلومات ملتی ہیں کہ آپ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہوا اور آپ کا مامول حضرت سری سقطی

آپ کو اپنے گھر لے گئے اور آپ کی پرورش کی۔

ولادت

آپ کی تاریخ ولادت کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اختلافی طور پر آپ کی تاریخ پیدائش سن ۲۱۵ھ بیان کی جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ کے حالات زندگی کے سلسلہ میں آگے آئے گا کہ آپ نے سوداگری کے ساتھ ساتھ ابو ثور سے فقہ اور حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی تھی اور ابو ثور کی وفات ۲۳۰ھ بیان کی جاتی ہے اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت جنید نے ان کے ہاں تعلیم شروع کی تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ اور یہ تعلیم و تربیت عموماً تین سے پانچ سال کی ہوتی تھی اس لئے زیادہ قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ اس بنا پر آپ کی تاریخ ۲۱۵ھ بنتی ہے۔

تعلیم و تربیت

حضرت جنید بغدادی تیسری صدی ہجری میں اس وقت پیدا ہوئے جب اسلامی علوم نقطہ عروج پر تھے۔ اس صدی کے آغاز میں بعض اہلپسند رجحانات سیاسی تحریکوں کی صورت میں نمودار ہو چکے تھے۔ جنہوں نے ۲۶۳ھ میں بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ اسی دور میں قرامطہ کی مذہبی اور طبقاتی مساواتی بغاوت کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ جو ۲۷۸ھ میں واقع ہوئی۔

مذہب بنی کے دائرے میں ایک جدید تحریک سامنے آئی، وہ تھی بغداد کا مدرسہ تصوف۔ اس مدرسے کے لوگ لبریزی، خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور فصاحت و بلاغت کے کلمات کا بالکل نئے، انوکھے اور غیر مانوس طریقے پر استعمال کرتے تھے۔ بغدادی مدرسہ تصوف کے افکار دوسرے صوفی مدارس سے بہت مختلف تھے اور خاص طور پر خراسانی مدرسہ تصوف سے ان کے اختلاف تھے۔ اس مدرسے نے خدا اور انسان کے بارے میں ازسرنو بحث و استفسار کا دروازہ کھولا، ذاتی تجربے کو بہت اہمیت دی اور اس روایتی تصور کی چولیس ہلا کر رکھ دیں جو اس وقت تک مسلمہ سمجھا جاتا تھا۔ روایتی تصورات کو متزلزل کرنے کیساتھ ساتھ اس نے اسلامی روایات کو بھی ایک نئی زندگی اور ایک نیا آہنگ عطا کیا۔

حضرت جنید بغدادی نے ابتدائی تعلیم فقہ اور حدیث اپنے ماموں حضرت سری سقطی سے حاصل کی۔ حضرت سری سقطی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے توحید کا پیغام تصوف کے ذریعے عام

کیا۔ آپ زہد و عبادت، بلندی فکر اور توحید میں یکتا تھے اور اپنے زمانہ کے جید ترین صوفی تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے بھانجے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب ابتدائی تعلیم مکمل کر چکے تو آپ نے حضرت جنید سے دریافت کیا کہ اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ حضرت جنید نے جواب دیا ”حارث المحاسبی کی مجلس میں“۔

حضرت سری سقطیؒ نے جواب دیا کہ ہاں جاؤ اور اس سے تعلیم و تربیت حاصل کرو۔ لیکن اس کی نظری بحث و استدلال اور معتزلہ کے معاملے میں جرح و تردید سے ذرا آگاہ رہنا۔ حضرت جنید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سری سقطیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”خدا کرے تم ایک صوفی محدث بنو، نہ کہ محدث صوفی“۔ حضرت ابو عبد اللہ الحارث المحاسبی حضرت سری سقطیؒ کے گہرے دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور ان کا حضرت سری سقطیؒ کی مجلس میں آنا جانا تھا۔ اس لئے حضرت جنید نے ان سے تعلیم حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

محاسبی عرفان کی اس بلندی پر تھے کہ حضرت سقطیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”جب میری نظریں عرش تک پہنچتی ہیں تو اس کی بلندی دیکھ کر اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ محاسبی کس بلندی پر ہیں“۔

ایک مرتبہ محاسبی کے ایک دوست امیر حمزہ بغدادی محاسبی کے گھر آئے۔ محاسبی نے ایک پرندہ پال رکھا تھا جو سریلی آواز میں گانے لگتا تھا۔ حسب معمول پرندے نے ایک اجنبی کو دیکھ کر نہایت خوش الحانی سے گانا شروع کر دیا۔ پرندے کی سریلی آواز حمزہ کے دل کو اس قدر بھائی کہ وہ پکار

اٹھے ”واللہ یہ تو خدا ہے۔“ محاسبی نے یہ سنا تو غصے میں کھول اٹھے اور سخت طیش کے عالم میں خنجر لے کر امیر حمزہ کے پیچھے دوڑے۔ ساتھ ساتھ یہ کہتے بھی جا رہے تھے کہ ”حمزہ اگر تو نے اپنے الفاظ واپس نہ لئے تو آج مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“ حمزہ نے یہ سن کر معذرت خواہانہ انداز میں کہا ”حضرت اگرچہ میرے عقائد و نظریات اتنے ضعیف نہیں ہیں لیکن پھر بھی میری بات بد عقیدہ لوگوں کی طرح بن گئی میں شرمسار ہوں اور اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“ یہ سن کر محاسبی نرم پڑ گئے اور کہا ”خدا کی قسم حمزہ بے شک تو عقائد میں پختہ ہے اور مجھے اس پر یقین ہے لیکن تو نے بات ہی ایسی کی کہ میں ضبط نہ کر سکا۔ مجھے ایسے لوگوں سے سخت نفرت ہے اور ایسے نظریات سے سخت چڑ ہے جو ایسی لغویات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا پرندوں میں حلول کر جاتا ہے۔ میں ان احمقوں سے پوچھتا ہوں اگر ایک معمولی پرندہ عام سے سر میں کوئی آواز نکال لیتا ہے تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی آواز نکل رہی ہے۔ نادانوں! خدا تو ناقابلِ تسخیر قوت ہے وہ بھلا کیوں جسم ہوگا۔“ اس واقعہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کس پائے کے صاحبِ علم اور پابندِ شرح تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ اس سلسلہ میں طبقات میں فرماتے ہیں کہ ”میں نے فقہ کی تعلیم ابو عبیدہؒ اور ابو ثورؒ جیسے اساتذہ حدیث کے مسلک کے مطابق حاصل کی اور بعد ازاں میں نے حارث المحاسبیؒ اور سری بن مغلسؒ جیسے صوفیاء کی صحبت اختیار کی اور یہی میری کامیابی کا راز بنی۔ اس لئے کہ ہمارا علم ہمیشہ قرآن اور حدیث کے مطابق رہا۔“ جس شخص نے قرآن

نہیں پڑھایا یا حفظ نہیں کیا اور نہ حدیث باقاعدہ طور پر پڑھی ہے اور تصوف کا رخ کرنے سے پہلے فقہ کا علم بھی حاصل نہیں کیا وہ ایک ایسا شخص ہے جسے رہنمائی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔“

معروف تاریخی مصنف جناب خان آصف لکھتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت شیخ حارث محاسبیؒ سے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ مگر اس بات سے قطع نظر ہمیں پیچھے درج شدہ حالات سے یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے حضرت محاسبیؒ سے فقہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے ”جنید نے فقہ ابو ثورؒ سے پڑھی۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انھوں نے سلیمان الثوری سے عقائد اخذ کیے اور قاضی ابن مرتضیٰ ان کے دوست تھے۔ ابو ثور ابراہیم خالد الکلی بغدادیؒ جن کی وفات ۲۴۰ ہجری میں ہوئی اپنے وقت کے ممتاز قاضی اور فقیہ تھے اور ابتدا میں عراقی مکتبہ فکر کے پیروکار تھے۔ یہ مکتبہ فکر حجازی محدثین کے مکتبہ فکر سے مختلف تھا۔ اس مکتبہ فکر کے افراد تجزیہ میں زیادہ آزاد اور بیرون ملک کی قانونی روایات سے زیادہ آگاہ تھے۔ وہ نئے نئے مسائل اکٹھے کر کے یہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کے مکتبہ فکر میں نظائر کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ امام شافعیؒ کے بغداد میں آنے کے بعد ابو ثور نے ان سے متاثر ہو کر عراقی مکتبہ فکر کو خیر باد کہہ کر محدثین کا مکتبہ فکر اختیار کیا۔ حضرت جنیدؒ جب ابو ثور کے پاس آئے تو آپ کی عمر صرف بیس (۲۰) سال تھی۔ سوانح نگاروں نے حضرت جنیدؒ کو ثوری کا لقب دیا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نسبت ان کے استاد ابو ثور کی جانب سے ہے۔ جب کہ بعض کے نزدیک اس کا تعلق حضرت جنیدؒ سے ہے۔“

کے ایک اور رفیق تھیہ ابن سرتج شافعی المذہب تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ غور و فکر اور قانون میں بحث و مناظرہ کا سبق سب سے پہلے انہوں نے ہی دیا اور تیسری صدی میں تین شخصیات اپنے اپنے دائرہ کار میں ممتاز و منفرد تھیں۔ قانون میں ابن سرتج، الہیات میں اشعری اور حدیث میں نسائی۔

سکو۔

”اس قدر گھل جاؤ کہ گوشہ چشم کے سوا کچھ باقی نہ رہے جس سے تم آنسو بہاؤ اور عاجزی کرو۔“

یہ اشعار پڑھ کر حضرت جنید پر گریہ طاری ہو گیا۔

اس طرح کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت جنید فرماتے ہیں حضرت سریؒ نے ایک دن مجھ سے سوال کیا محبت کیا ہے تو میں نے جواب دیا ”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ محبت جذبہ و احساس کے ایک ہو جانے کا نام ہے، بعض کے نزدیک محبت نام ہے دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دینے کا اور کچھ لوگ اسے ایک بالکل الگ چیز بتاتے ہیں۔ اس پر حضرت سریؒ نے اپنے بازو کے چمڑے کی چنگلی بھری جو ان کی ہڈیوں پر اتنا کسا ہوا اور خشک تھا کہ وہ اسے کھینچ نہ سکے اور کہنے لگے ”خدا کی قسم اگر میں یہ کہوں کہ میرا چمڑا خدا تعالیٰ کی محبت میں میری ہڈیوں پر ٹوکھ گیا ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔“

ایک دن حضرت جنید، حضرت سری سقطیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں دیکھتے ہی حضرت سریؒ نے فرمایا ”آؤ بیٹا! میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ حضرت جنید نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا ”شیخ! میں حاضر ہوں حکم دیجئے۔“

بھانجھے کے اس طرز عمل کو دیکھ کر حضرت سری سقطیؒ کے چہرہ مبارک پر ایک عجیب سا رنگ ابھر آیا۔ نہایت والہانہ انداز میں فرمایا ”میرا ایک کام کرو۔“

حضرت جنید نہایت ذوق و توجہ سے اس کام کے واپس آ

گئے۔ حضرت سری نے اپنے پیرا بن کی جیب سے تہہ کیا ہوا ایک کاغذ نکالا اور بھانجے کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا ”جنید تم نے میرا کام بہت مہارت اور تیزی کے ساتھ مکمل کیا ہے اس لئے یہ تمہارا انعام ہے۔“

حضرت جنید نے وہ کاغذ لے لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگے۔ کاغذ

پر تحریر تھا.....

میں نے صحرا میں ایک شتر بان کو دیکھا جو نہایت پُرسوز آواز میں یہ

اشعار گارہا تھا!

”میں روتا ہوں اور جانتے بھی ہو کہ میں کیوں روتا ہوں

اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں تو مجھے فراق میں مبتلا نہ کر دے

اور میری امیدیں قطع کر کے مجھے تنہا نہ چھوڑ دے“

نصیحت کا یہ عجیب انداز جس سے متاثر ہو کر حضرت جنید بھی رونے

لگے اور پھر اپنے محترم ماموں سے پٹ کر عرض کرنے لگے۔

”اگر یہ کلام میرے لئے ہے تو بس اتنا سمجھ لیجئے کہ میں اس درد کو

چھوڑ کر کہاں جاسکتا ہوں۔“

بھانجے کا جواب سن کر حضرت سقظی کے چہرہ مبارک پر مسرت و

شادمانی کا غیر معمولی رنگ ابھر آیا۔

حضرت جنید بغدادی کی فرمانبرداری نے شروع ہی سے حضرت سری

سقظی کی نظروں میں اہمیت اختیار کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حضرت جنید

کی کسی بات کو نہیں ٹالتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی ”بچپن ہی سے غور و فکر کے

پاس آیا تو انہیں معمول سے کچھ مختلف پایا۔ میں نے پوچھا ”یا حضرت کیا ماجرا ہے؟“

کہنے لگے ”ایک نوجوان میرے پاس آیا اور توبہ کے متعلق استفسار کرنے لگا۔ میں نے اسے جواب دیا، توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے گناہ بھول جاؤ۔ نوجوان کہنے لگا لیکن توبہ کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ انسان اپنے گناہوں کو بھلا دے۔“

حضرت جنید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سرئی سے کہا ”جو اس نوجوان نے کہا وہی میرا بھی خیال ہے۔“
حضرت سرئی نے دریافت کیا وہ کیسے؟

میں نے کہا ”اس لئے کہ جب ایک دفعہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ خراب ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اسے وہ بلند مقام پھر سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا تعلق خدا سے پھر استوار ہو جاتا ہے تو اس وقت اپنی پہلی حالت کا خیال دل میں لانا اچھا نہیں۔“ حضرت سرئی یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سقظی کے پاس ایک نوجوان حاضر ہوا اور رو کر عرض کرنے لگا ”حضرت مجھ سے ایک گناہ عظیم سرزد ہو گیا ہے۔ اب مجھے کسی پل چین نہیں آتا، خدا کے حضور معافی مانگتا ہوں، گزر گاتا ہوں لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا۔ نہ جانے میری توبہ قبول بھی ہوئی ہے یا نہیں۔ آپ مجھے توبہ کی حقیقت سے آگاہ کریں۔“

حضرت سقظی نے اسے آگاہ کیا اور کہا

”نو جوان توبہ کا یہ مطلب تو نہیں کہ تو اپنے گناہ ہی بھول جائے۔“

یہ سن کر نو جوان بیچارگی سے مزید رونے لگا اور آنسوؤں سے لبریز اپنی آنکھیں اٹھا کر بولا ”گویا میں گناہ کر کے ایک دلدل میں اتر گیا ہوں۔ میرا اس میں سے نکلنا دشوار ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔“

یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگا حضرت سقطنیؒ اسے خاموشی سے دیکھتے جا رہے تھے۔ نو جوان نے اپنا آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ اٹھا کر لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا ”شیخ! لیکن میں نے تو توبہ کا مطلب یہ سنا ہے کہ آدمی اپنے گناہ بھلا دے، کیا یہ درست نہیں؟“

حضرت سقطنیؒ کے ساتھ نو جوان کی اس بحث کے دوران حضرت جنیدؒ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ بڑی توجہ سے اس نو جوان اور حضرت سقطنیؒ کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔ جب نو جوان نے یہ پوچھا تو حضرت سقطنیؒ کے جواب دینے سے پہلے آپ بول پڑے.....

”نو جوان تو نے سچ ہی سنا ہے۔ توبہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ انسان اپنے گناہ بھلا دے۔“ آپ کی یہ بات سن کر حضرت سقطنیؒ نے غصے کے عالم میں جنید کی طرف دیکھا۔ حضرت جنیدؒ نے آپ کی نظروں کا مفہوم سمجھ لیا اور سر جھکا کر ادب سے بولے ”شیخ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بات برحق ہے کہ اگر ایک انسان کا اللہ سے تعلق خراب ہو جائے اور پھر انسان توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے پروردگار کو منالے اور اس کا دل مطمئن ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا تعلق دوبارہ استوار ہو گیا ہے۔ تو ایسے میں اپنے پرانے

خیالات کو بھلا دینا ہی بہتر ہے۔

marfat.com

حضرت سقلیؒ نے آپ کی وضاحت سنی تو سر جھکا کر اعتراف کر لیا اور کہا ”جنید میرے بیٹے تو نے سچ کہا“۔

حضرت سری سقلیؒ حضرت جنیدؒ کے بلند مرتبہ سے یقیناً آگاہ ہو چکے تھے۔ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت سقلیؒ سے پوچھا گیا کہ ”کیا مرید کا مرتبہ اس کے مرشد روحانی سے بلند ہو سکتا ہے؟“ تو آپ نے جواب دیا ہاں اور اس کا واضح ثبوت بھی موجود ہے، جنید کا مرتبہ مجھ سے بلند ہے۔

ایک دن حضرت جنیدؒ حضرت سقلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک عجیب منظر نظر آیا۔ ایک شخص خانقاہ میں بیہوش پڑا تھا اور حضرت سقلیؒ اس کے قریب حیران و پریشان بیٹھے تھے۔ حضرت جنیدؒ نے فکر مندانہ لہجہ میں عرض کیا!

”اس شخص کو کیا ہوا ہے کہ یہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے؟“

حضرت سقلیؒ نے فرمایا ”میں نے اس کے سامنے قرآن حکیم کی ایک آیت تلاوت کی تھی جسے سنتے ہی یہ بیہوش ہو گیا۔“

حضرت جنیدؒ نے عرض کیا ”آپ وہی آیت دوبارہ تلاوت کیجئے، یہ شخص ہوش میں آ جائے گا۔“

حضرت سقلیؒ نے اپنے بھانجے کی طرف دیکھا۔ پھر آواز بلند وہی آیت مقدسہ تلاوت کی۔ چند لمحوں بعد وہ شخص ہوش میں آ گیا۔

حضرت سقلیؒ کو اس بات پر تعجب ہوا مگر آپ اجنبی کی موجودگی میں خاموش رہے۔ جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے حضرت جنیدؒ سے پوچھا!

”تمہیں یہ تدبیر کیسے معلوم ہوئی؟“

حضرت جنید نے بعد احرام عرض کیا۔ ”حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرہن مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پینائی چلی گئی تھی اور پھر اسی قمیص سے آپ کی آنکھوں کی روشنی بحال ہو گئی تھی۔“ حضرت سری سقطیؒ کو حضرت جنید کا یہ جواب بہت پسند آیا۔

حضرت جنیدؒ معرفت کے اس درجے پر پہنچ گئے تھے کہ آپ کے استاد گرامی اور شیخ حضرت سری سقطیؒ بھی بعض مسائل میں آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حضرت جنید کی رائے کو اپنی رائے سے افضل قرار دیا کرتے تھے۔ جب حضرت سریؒ کا انتقال ہونے والا تھا تو حضرت جنید نے ان سے کہا ”یا شیخ جب آپ اس دنیا سے چلے گئے تو مجھے آپ کا کوئی مثل اس دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گا۔“

حضرت سریؒ نے جواب دیا ”لیکن تم جیسا بامروت اور کریم النفس بھی اس دنیا میں کہیں نہیں ملے گا۔“

اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سری سقطیؒ کی نظر میں حضرت جنید کی کیا حیثیت اور مقام تھا۔

حضرت جنیدؒ بیان کرتے ہیں کہ شروع میں میرا یہ خیال تھا کہ جب تک حضرت سری سقطیؒ زندہ ہیں میں وعظ و ارشاد کی مسند پر نہیں بیٹھوں گا۔ حضرت جنید بغیادی کا یہ حال تھا کہ انسانی مجمع میں بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے لیکن ایک رات انہیں خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا ”اے جنید لوگوں کو کچھ بتاؤ۔ اس

لئے کہ خدا نے تمہیں ایک نعمت خاص بخشی ہے اور خدا نے تمہاری زبان کو ایک خلق کی نجات کا ذریعہ بنایا ہے۔“

صبح حضرت سرئی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ ”جب تمہیں کہا جاتا تھا کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرو تو تم اس درخواست کو خاطر میں نہ لاتے تھے لیکن اب جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تو اس سے روگردانی نہ کرنا بلکہ اس کی تعمیل کرنا۔“

حضرت جنید کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے محسوس کیا کہ حضرت سرئی میرے تمام ظاہری و باطنی حالات و خیالات سے آگاہ رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کو میرے اس خواب کا علم کیسے ہوا؟ حضرت سرئی نے فرمایا ”میں نے خواب میں خدا تعالیٰ کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ میں نے اپنے پیغمبر کو بھیجا ہے کہ وہ جنید کو وعظ و ارشاد کا حکم دیں۔“

دوسرے دن حضرت جنید جامع مسجد میں حاضر ہوئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد حاضرین مسجد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”اے اہل ایمان میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“

حضرت جنید کی بات سن کر حاضرین مجلس نے عرض کیا ”اے جنید ہم تو کافی عرصہ سے آپ کی بات سننے کے لئے تیار ہیں مگر آپ کچھ بیان ہی نہیں کرتے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ کی گفتگو بڑی پُراثر ہوگی اور اس سے بہت سے سوئے ہوئے ذہن جاگ اٹھیں گے اور بہت سے مردہ دل زندہ ہو جائیں گے۔“

اس بات کو سن کر حضرت جنیدؒ نے اپنے رب کی بڑائی کو بیان کیا اور اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں عقیدت و جذبات کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے فقر کے موضوع پر اس قدر بڑا اثر انداز میں تقریر کی کہ لوگ آپ کے پُرسوز لہجے کو سن کر شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر مسجد کے فرش پر ترپنے لگے۔

حضرت سری سقطیؒ نے اپنی کوئی تحریر پیچھے نہیں چھوڑی اور آپ کے اقوال کا بہت سا حصہ حضرت جنیدؒ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ حضرت جنیدؒ پر حضرت سریؒ کا بہت گہرا اثر تھا یہی وجہ ہے کہ ہم حضرت جنیدؒ کے بغیر حضرت سریؒ کی اہمیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حضرت جنیدؒ نے تصوف کا باقاعدہ نظام مرتب کیا اور اسے تحریری طور پر پیش کیا۔ حضرت سریؒ تصوف کے مسائل و بحثیں زبانی طور پر بیان کرتے تھے اور آپ کے بعد حضرت جنیدؒ نے اسی بنیاد پر مدرسہ تصوف کی بنیاد رکھی۔ آپ کا اصل موضوع توحید تھا۔ اسی لئے اس سے منسلک افراد کو اربابِ توحید کا لقب دیا جاتا ہے۔ حضرت سریؒ نے اپنے زمانہ کے ممتاز محدثین الفضیل، ہشیم، ابن عیاش، یزید بن ہارون، سفیان بن عیینہ اور دوسرے لوگوں سے حدیث سنی تھی۔ اسی وجہ سے ان کے تصوف کی بنیاد مدرسہ تعلیم پر تھی۔

حضرت معروف کرخیؒ

ابو محفوظ معروف ابن فیروز الکرخئیؒ حضرت سری سقطیؒ کے شیخ تھے اور ان کا شمار حضرت جنیدؒ کے دوسرے استاد میں ہوتا ہے۔ حضرت سری کہا کرتے تھے کہ ”مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے سب معروف کی صحبت کا فیض ہے۔“

حضرت معروف کرخیؒ ایرانی نژاد تھے۔ آپ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے غلام تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ آپ پہلے غیر مسلم تھے اور آپ نے حضرت علی بن موسیٰ رضاؑ کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا اور ان کو بہت عزیز تھے۔ حضرت معروفؒ، ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کے محلہ کرخ میں رہتے تھے اس لئے کرخی مشہور ہوئے۔

حضرت معروف کرخیؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دوست نے ان سے پوچھا ”کس چیز نے آپ کو خدا کی عبادت میں یوں محو کر دیا ہے اور مشاغل دنیا سے کنارہ کش ہو جانے پر آمادہ کیا ہے؟“ حضرت معروف کرخیؒ خاموش رہے۔ دوست نے پھر سوال کیا۔ ”کیا موت کے خیال نے؟“

آپ نے جواب دیا ”نہیں موت کیا چیز ہے۔“

دوست نے پوچھا ”تو پھر قبر کے خیال نے؟“

آپ نے جواب دیا ”نہیں قبر کیا چیز ہے۔“

دوست نے پوچھا ”تو پھر شاہ جنید کے خوف کی خواہش

نے؟“

آپ نے فرمایا ”ان میں سے کوئی بھی چیز ہو وہ بہر صورت خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب تم اس سے محبت کرنے لگو تو وہ تمہیں ان تمام چیزوں کا خیال بھلا دیتا ہے۔ جب تم خود اس سے متعارف اور شناسا ہو جاؤ تو وہ تمہیں ان چیزوں کی فکر سے بچا لیتا ہے۔“

اس زمانہ کے مختلف مشائخ تصوف کی تعلیمات اور اقوال کو اگر دیکھا جائے تو حضرت معروف کرخی، حضرت سری سقطی اور حضرت جنید بغدادی کی شخصیتوں کے درمیان ایک قریبی تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ان سب کا اہم عنصر براہ راست عرفان الہی اور حقیقت خداوندی اور توحید کی معرفت ہے۔

حضرت معروف کرخی حضرت داؤد اظہانی کے ہم جلیس تھے۔ حضرت داؤد اظہانی نے حبیب العجمی سے اکتساب کیا تھا اور حبیب العجمی نے حضرت خواجہ حسن بصری سے اور حضرت حسن بصری نے امیر المومنین خلیفہ چہارم حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اخذ فیض کیا تھا۔ مگر اس سلسلہ تصوف کو اکثر مؤرخین معتبر خیال نہیں کرتے۔ خاص طور پر اس لئے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو حضرت حسن بصری اس وقت کمن تھے۔ بعض مؤرخین اس سلسلہ تصوف کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ”حضرت جنید بغدادی سے جعفر الخلدی نے تصوف کی تعلیم حاصل کی، حضرت جنید بغدادی نے حضرت سری سقطی سے، انہوں نے معروف کرخی سے، انہوں نے فرقد الشعمی سے، انہوں نے حسن بصری سے اور انہوں نے انس بن مالک سے علم تصوف حاصل کیا۔“ تصوف کو ابو اسحاق نے

روایت کیا ہے۔ اس سلسلہ تصوف میں ابو یعقوب فرقد ^{رحمۃ اللہ علیہ} کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے تابعین سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا تھا اور کچھ احادیث بھی روایت کی تھیں لیکن آئمہ حدیث نے ان کی روایات کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہ پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے۔ مگر تاریخی اعتبار سے اس سلسلہ تصوف کو بھی قابل قبول نہیں سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ ان کا انتقال حضرت معروف کرخی سے ستر (۷۰) سال پہلے ہوا تھا۔

ابو جعفر محمد ابن علی القصابؒ

قصابؒ کو بھی حضرت جنید بغدادیؒ کے اساتذہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ عراقی صوفیاء کے شیخ تھے۔ کشف المحجوب میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

”تمام ہدایت والوں کے جمال ابو العباس احمد بن محمد القصابؒ ہیں، جنہوں نے ماورائہم کے پہلے لوگوں کو پایا تھا اور ان کی صحبت میں رہے تھے۔ صدق فرست، علو حال، کثرت برہان اور زاہد کرامت میں یکتا تھے۔ ابو عبد اللہ خیاطیؒ جو طبرستان کے امام تھے۔ کہتے ہیں کہ انفضال خدائے عزوجل سے کون ایسا ہے کہ جس کو بے تعلیم کے ایسا ہوا اگر ہم کو اصول دین اور وقایح توحید میں کوئی بات مشکل معلوم ہو تو اس کی ریاضت کریں۔“

قصاب ہے، وہ اُسی تھے لیکن کلام ان کا عالی اور نکتے لطیف تھے۔ آپ علم تصوف اور اصول میں ابتداء اور انتہا میں عالی حال اور نیک سیرت اور میں نے ان کی حکایتیں بہت سنی ہیں..... کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے اونٹ کی مہار پکڑی تھی اور بارگراں کے ساتھ بازار جاتا تھا اور اس جگہ ہمیشہ کچھڑ ہوتی تھی۔ پس اونٹ کا پاؤں اس جگہ سے پھسل گیا اور وہ گر پڑا اور ہڈی اس کی ٹوٹ گئی تو لوگوں نے ارادہ کیا کہ اونٹ کے بوجھ کو اس کی پیٹھ سے نیچے اتار لیں۔ پس لڑکا خداوند تعالیٰ کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر فریاد کرتا تھا اور روتا تھا اور یہ اس کے پاس گئے کہ کیا ہوا ہے تو لوگوں نے کہا کہ اونٹ کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے اونٹ کی باگ پکڑی اور آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا ”اے خدائے تعالیٰ اس اونٹ کے پاؤں کو درست کر اور اگر تو درست نہ کرنا چاہے گا تو ایک قصاب کے دل کو ایک لڑکے رونے سے تو نے کیوں جلایا ہے۔ اسی وقت اونٹ اٹھا اور زمین پر چلنا شروع کر دیا۔“ (کشف المحجوب)

حضرت جنید بغدادیؒ انہیں اپنا اصلی پیر و مرشد بتاتے تھے اور کہا کرتے تھے ”لوگ زیادہ تر میرا تعلق سری سقطیؒ سے قائم کرتے ہیں حالانکہ میرے اصل مرشد محمد القصابؒ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے آپ سے ایسے خاص اسرار و رموز حاصل کئے جو صرف انہی کو ملنے ہی مخصوص ہوتے

ہیں۔ انہوں نے دوسو پچھتر ہجری (۲۷۵ھ) میں وفات پائی۔

ابن الکرنبیؒ

ابو جعفر الکرنبی بغدادیؒ کا شمار جنید بغدادیؒ کے ایک اور استاد میں ہوتا ہے۔ بغدادی مکتبہء فکر کے بہت سے زاہد و مرتاض لوگوں پر آپ کا اثر تھا۔ آپ بغداد میں اپنے پیوند لگے لباس کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ مرنے سے پہلے آپ نے اپنا خرقہ اپنے ایک دوست کو مرحمت فرمانے کی وصیت کی۔ اس دوست نے دیکھا کہ اس خرقہ میں اتنے پیوند لگے ہوئے تھے کہ صرف اس کی آستین کا وزن چھ سے سات سیر کے قریب تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے ان کے بہت سے اقوال اور حکایات بیان کی ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن الکرنبیؒ کی وفات کا وقت آیا تو میں ان کے سرہانے بیٹھا ہوا آسمان کی طرف گھور کر دیکھ رہا تھا۔ ابن الکرنبیؒ نے کہا ”بہت دور دیکھ رہے ہو“ اس پر میں نے اپنی نظریں نیچے زمین کی طرف کر لیں۔ ابن الکرنبیؒ نے وہی الفاظ دہرائے ”بہت دور دیکھ رہے ہو۔“ اس کی توضیح کرتے ہوئے کہا جاتا ہے خدا ہم سے اتنا قریب ہے کہ اس کی طرف توجہ کرنے کے لئے نہ اوپر آسمان کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے نہ نیچے زمین کی طرف۔

بعض حکایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عادات مرکز اعتدال سے ہٹی ہوئی تھیں لیکن وہ بہت سادہ، مخلص اور دوست پرور تھے اور اپنے مذہبی مجاہدہ، اپنی خواہشات کو تسخیر اور رذائل کو قطع کرنے کی وجہ سے نہایت بلند

مرتبہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات کا کوئی ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔

القنطریؒ

شیخ ابو بکر محمد بن مسلم عبدالرحمن القنطریؒ کے بارے میں بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد تھے جبکہ بعض مصنفین نے انہیں حضرت جنیدؒ کا دوست اور ساتھی قرار دیا ہے۔ القنطریؒ نے حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت بشر بن حارث الحافیؒ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ جیسا کہ پیچھے گزرا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت معروف کرخیؒ سے تصوف کے رموز و نکات حاصل کئے۔ اس بنا پر القنطریؒ کو جنید بغدادیؒ کا دوست اور ساتھی بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی ملاقات حضرت معروف کرخیؒ کے ہاں ہوتی رہی اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

القنطریؒ خلوت پسند اور کم گو آدمی تھے۔ آپ کافی نادار تھے اور نہیان ثوریؒ کا مجموعہ احادیث ایک نہایت قلیل معاوضہ پر نقل کر کے اپنی گزر بسر کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ اور القنطریؒ کے درمیان اکثر اوقات مختلف مسائل پر کافی بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ آپ کا انتقال ۲۶۰ھ میں ہوا۔

ابو حفص الحدادؒ

ابو حفص عمرو بن سلمی الحداد النیشاپوری خراسان کے صوفیوں کے شیخ تھے۔ ان کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عتقاد کے لحاظ سے معتزلی

تھے اور علم کلام میں انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”البحر وف فی تکافوع الادولہ یا الجاروف فی تکافو الادولہ“ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا ردّ معتزلی علماء ابوعلی الجبائی الخیاط اور الحارث الوزّاق نے کیا ہے۔ الخیاط نے اپنی کتاب ”الانتصار“ میں انہیں رافضی لکھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے ”قِدْمُ الاثینین (یعنی جوہر اور صفت دونوں کی ازلیت) کا نظریہ اختیار کیا اور معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ اس طرح کے اور متعدد بزرگ موجود ہیں جن کے بارے میں ان کے معتزلی ساتھی کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ اہل اعترال میں تھے لیکن بعد میں ان کے خیالات (بقول معتزلہ کے) فاسد ہو گئے مثلاً خود ابو حفص، ابو سعید العصری الصوفی اور ابو موسیٰ عیسیٰ ابن ابیہثم الصوفی وغیرہ۔

حضرت جنید بغدادی ابو حفص الحمدادی بہت قدر و منزلت کرتے تھے اور ان کے بارے میں کہتے تھے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا جو حقیقت الوہیت کے معانی سمجھتے تھے۔ ان سے مل کر انسان مطمئن، شاد کام اور مالا مال ہو جاتا تھا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے گفتگو کرتے تھے اور ایک کامل و اکمل عالم تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابو حفص کی مادری زبان چونکہ فارسی تھی اس لئے وہ عربی ٹھیک طرح سے نہیں بول سکتے تھے۔ بغدادی شیوخ سے جب ان کی ملاقات مسیحہ شونیزی میں ہوئی جن میں حضرت جنید بغدادی بھی شامل تھے تو انہوں نے اس موقع پر بہت شخصہ عربی میں گفتگو کی۔ یہاں تک کہ وہ لوگ نصاحت کلام میں ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ انہوں نے ابو حفص الحمدادی سے

سوال کیا ”سواء کیا ہے؟“

ابو حفص نے جواب دیا بہتر ہے آپ میں سے کوئی صاحب شروع کریں اور بتائیں کہ سواء کیا چیز ہے؟

حضرت جنید بغدادی نے کہا ”میرے خیال میں سواء یہ ہے کہ انسان اپنے اس فعل کو خود کبھی سواء نہ سمجھے اور نہ کبھی اپنے آپ سے اس کا تذکرہ کرے۔“

ابو حفص نے کہا ”شیخ نے کسی اچھی بات کہی ہے۔ لیکن میری رائے میں سواء یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ ہمیشہ انصاف کیا جائے اور اپنے لئے کبھی انصاف نہ طلب کیا جائے۔“

حضرت جنید نے اپنے مریدوں اور ساتھیوں سے کہا ”ابو حفص“ کی تعظیم کے لئے اٹھو یہ تو سواء کے معاملے میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔“

اس ضمن میں ایک واقع بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی ابو حفص حداد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اس وقت بغداد میں ہی مقیم تھے۔ جب خانقاہ کے اندر داخل ہوئے تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ ابو حفص حداد کے تمام مرید اور خدام سر جھکائے، دست بستہ سامنے کھڑے تھے۔ حضرت جنید کو یوں محسوس ہوا جیسے حضرت حداد کوئی شہنشاہ ہیں، مدعا ~~بہت~~ راستہ ہے اور غلام گردنیں خم کئے کھڑے ہیں۔

ایک روحانی درسگاہ میں دربار سلطانی کی یہ شان دیکھ کر حضرت جنید بغدادی آگے بڑے ابو حفص حداد کو مخاطب کر کے عرض کیا۔

”یا شیخ! آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو دربار شاہی کے آداب و اطوار سکھاتے ہیں؟“

ابو حفص حدادؒ نے فرمایا ”ابوالقاسم جو کچھ تم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو دراصل حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ مجھے شاہی رعب و جلال کی حاجت نہیں ہے..... مگر تم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ ظاہری حسنِ ادب، باطنی حسنِ ادب کا عنوان ہوتا ہے۔ جس شخص کو اس ظاہری دنیا میں آداب کی تعلیم نہیں ملی ہے وہ دوسری دنیا میں بھی آداب کے لوازم کو بجا نہ لاسکے گا۔“ ابو حفص حدادؒ کا جواب سن کر حضرت جنید بغدادیؒ خاموش ہو گئے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نو سال آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ ابو حفص حدادؒ کا انتقال ۲۶۰ھ میں ہوا۔

یحییٰ ابن معاذ الرازیؒ

یحییٰ ابن معاذ الرازیؒ کا شمار حضرت جنید بغدادیؒ کے آٹھویں استاد میں کیا جاتا ہے۔ جو معرفت کی تعلیم کے لئے مشہور تھے اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے دوست تھے۔ کشف المحجوب میں آپ کے بارے میں لکھا ہے!

”لسانِ محبت و وفا، زمینِ طریقت و دلا ابو ذکر یا یحییٰ ابن معاذ الرازی تھے۔ ان کا حال عالی تھا، خصلت نیک اور حقیقت رجا میں حق تعالیٰ کے ساتھ قدم رکھتے تھے۔ حضرت حصریؒ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے دو یحییٰ تھے۔ ایک انبیاء سے اور ایک اولیاء سے یعنی یحییٰ بن ذکر یا اللہ نے خوف کے مقام کو ایسا ادا کیا کہ سب سے بڑا خوف ہے۔ انہی فلاح سے تا امید

ہوئے اور یحییٰ بن معاذ نے رجا کے طریق کو ایسا پورا کیا کہ سب مدعیان رجا کے ہاتھ باندھے۔ آپ نے ۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

یوسف ابن حسین رازیؒ

ابو یعقوب یوسف ابن الحسین ابن علی الرازیؒ معقول اور منقول دونوں میں بلند پایہ رکھتے تھے اور تصوف میں شہرے کے صوفیوں کے شیخ تھے۔ بغداد میں ان کے تعلقات امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ سے تھے۔ کشف المحجوب میں ہے کہ!

”آپ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مرید تھے اور بہت سے مشائخ کے ہم نشین رہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ نے ان سے بہت استفادہ حاصل کیا۔ ان کی نگاہ میں حضرت جنید بغدادیؒ کا کیا مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت جنیدؒ کے بارے میں یہ کہا کہ ”ہوا الحکماء والعارفین من اہل عصرہ“ یعنی حضرت جنیدؒ اپنے ہم عصر حکماء اور عارفین کے سردار ہیں۔ آپ کی تاریخ وفات ۳۰۴ھ میں بیان کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ حضرت شیخ محمد بن علیؒ، حضرت محمد بن مرووق طوسیؒ اور حضرت یعقوب زیاتؒ کے نام بھی ملتے ہیں جن سے حضرت جنید بغدادیؒ نے کسب فیض حاصل کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو اساتذہ سے اکتساب علم کیا ہے۔ مگر ان چند ناموں کے سوا باقی لوگوں کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور ان کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی۔

شخصیت

حضرت جنید بغدادیؒ کی شخصیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ آپ کی شخصیت کو جاننے کے لئے ہمیں مختلف واقعات پر نظر ڈالنی پڑے گی۔ آپ کے شب و روز خالق حقیقی کی عبادت میں بسر ہوئے۔ آپ تزکیہٴ نفس کے لئے سخت ترین مجاہدے کرتے۔ آپ کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ تیس سال ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر عشاء کے بعد رات بھر اللہ اللہ کا ورد کرتے۔ مگر اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بزرگانِ تصوف کے بارے میں ہمیشہ ایسی باتیں کی جاتی ہیں جس سے وہ ایک بالکل محیر العقول شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ جبکہ حضرت جنید بغدادیؒ کے اساتذہ خصوصاً حضرت سری سقطیؒ اور حضرت حارث المحاسبیؒ کی تعلیمات کا مرکزی تصور عقیدہ توحید تھا۔ اس لئے ان کے ہم عصر علماء انہیں ”اربابِ توحید“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ اس لئے حضرت جنیدؒ کے بارے میں ایسے واقعات کا منسوخ کرنا عجیب سا لگتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے اپنے ہم عصر تمام نامور علماء و حکماء اور صوفیاء سے استفادہ کیا تھا۔ اس لئے ان کے علم میں غیر معمولی وسعت اور جامعیت پیدا ہو گئی تھی اور کیونکہ انہوں نے ذہن رسا پایا تھا اس لئے اس تمام ذخیرہٴ علم میں اپنے ذاتی معلومات اور مشاہدات کا اضافہ کر کے اپنا مخصوص فلسفیانہ نظام اور طریق سلوک مدون و مرتب کیا۔ جس میں مختلف افکار شامل ہو کر ایک بالکل مختلف علم معرض وجود میں آیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کو اسلامی لباس پہنایا اور شریعت اور طریقت کو ہم آہنگ کر دیا یعنی انہوں نے شریعت کی بنیاد پر تصوف کی عمارت تعمیر کی جسے علماء اور صوفیاء کے دونوں طبقوں نے اپنا مسکن بنایا۔ اسی لئے آپ کو ”سید الطائفہ“ کا لقب دیا گیا۔ صوفیاء کے طبقے کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ جیسے علماء جنہیں مخالف تصوف علماء میں شمار کیا جاتا ہے نے بھی ان کے طریقہ تصوف کو مستند قرار دیا اور ان کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے فلسفہ توحید کو تیسری صدی ہجری کے بغدادی علماء کفر کے مترادف قرار دیتے تھے (اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی) اور ہر ممکن طور پر اس کوشش میں رہتے تھے کہ آپ کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خلیفہ بغداد کی مدد چاہی۔ خلیفہ آپ کی شہرت اور مقام سے خوفزدہ تھا۔ اس لئے آپ کو براہ راست کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک لغو اور بیہودہ طریقہ اختیار کیا۔ ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ عبادت میں مشغول تھے کہ ایک اجنبی حسین لڑکی آپ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ آپ اپنی عبادت میں اس قدر مشغول تھے کہ اس کی آمد سے بے خبر رہے۔ اس لڑکی نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آپ کو مخاطب کیا اور کہنے لگی ”اے خوبرو نوجوان! میں بڑی دیر سے کھڑی تھی خدا کی حمد و ثناء میں مصروف دیکھ رہی تھی، تو میری طرف بھی نگاہ ڈال، میں بھی خدایٰ کا تیار کردہ جمال کا ایک شاہکار ہوں۔“

حضرت جنیدؒ نے اس لڑکی کو نظر پڑنے سے انہوں نے نظر

اٹھائی تو اپنے سامنے ایک انیس بیس سالہ مخمور و مسکور نوجوان لڑکی کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر نرمی سے بولے ”عزیزہ بے شک کائنات کی ہر چیز میں میرے اللہ کا جمال اور اس کی رحمت کا پرتو ہے لیکن میں ایک درویش منش فقیر ہوں۔ دنیا کو چھوڑ چکا ہوں، تم جس چیز کی طالب ہو بھلا وہ تمہیں یہاں کیسے میسر آ سکتی ہے؟ تم دیکھ رہی ہو یہاں خدا کے سوا اور کچھ نہیں۔“

لڑکی نے آگے بڑھ کر بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا ”نوجوان اگر تیرا یہ کہنا سچ ہے کہ یہاں خدا کے سوا کوئی نہیں تو پھر میں خدا سے مانگتی ہوں، خدا کی بارگاہ سے تو آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔“

حضرت جنید نے بڑی مشکل سے اس لڑکی کی دیدہ دلیری برداشت کی اور بڑی نرمی سے اس سے مخاطب ہو کر کہا ”تم سچ کہتی ہو لیکن اس وقت تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم یہاں سے خالی ہاتھ لوٹ جاؤ۔“

لیکن اس لڑکی پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ آپ کے قریب ہوتے ہوئے بولی ”نوجوان میں تو گوہر مراد حاصل کئے بغیر نہ جاؤں گی۔“

اب حضرت جنید نے صاف صاف بات کرتے ہوئے کہا ”خلیفہ کی کنیز خاص! کیا تو مجھے بے خبر سمجھتی ہے۔ کیا تو اور تیرا خلیفہ خدا کو بے خبر جانتے ہیں، جو اپنے نیک بندوں کو یوں برائی میں دھکیل دے گا۔ میرا خدا تمہارے اور خلیفہ کے درمیان ہونے والی وہ سرگوشیاں بھی سن چکا ہے جو تم نے مجھے بہکانے کی خاطر کی تھیں۔ تم اور تمہارا خلیفہ مجھے سزا دلوانا چاہتے ہو اور میرا سر کاٹنا چاہتے ہو، لیکن جان لو کہ خدا ہی سب سے بڑا محافظ ہے اور میں اس کی حفاظت میں ہوں۔“ کہہ کر آپ نے بے حلال نظروں سے اس

لڑکی کی طرف دیکھا جس سے وہ حسین و جمیل دوشیزہ وہیں جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی۔

جب خلیفہ کو اس بات کا علم ہوا اور کنیز کے انجام کے بارے میں خبر ہوئی تو وہ دوڑا دوڑا حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس آیا اور شاکی لہجے میں کہنے لگا ”جنید تم نے اپنی ریاضت کے جوش میں آ کر میری کنیز کو جلا کر راکھ کر دیا، کیا یہ اچھا کیا تم نے؟“ حضرت جنید بغدادیؒ یہ سن کر بولے ”خلیفہ! اللہ کی رضا اسی میں تھی۔ جسے وہ بچانا چاہتا ہے اسے ہر صورت بچا لیتا ہے اور جو اللہ کے عتاب میں آنے والا ہو بھلا وہ کہاں بچ پاتا ہے۔“

خلیفہ یہ سن کر بدستور شکایتی انداز میں بولا ”ابو القاسم تو یہ کیوں بھول جاتا ہے کہ جس خدا کی تو بات کر رہا ہے وہ غفور الرحیم ہے، رحم کرنے والا ہے، معاف کر دینے والا ہے۔“

یہ سن کر حضرت جنیدؒ نے جواب دیا ”خلیفہ! یہ میرا رحم ہی ہے کہ میں نگاہیں نیچی کئے تم جیسے ظالم شخص سے مخاطب ہوں اس سے پہلے کہ میں نگاہ اٹھا کر تمہارے ان فضول سوالوں کے جواب دوں، کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ تم اپنے ظلم کدے میں واپس لوٹ جاؤ جو ابھی تک راکھ کا ڈھیر ہونے سے بچا ہوا ہے۔“

خلیفہ یہ بات سن کر کانپ گیا اور لرزتے قدموں سے واپس لوٹنے لگا۔ آپ نے اس سے کہا ”تم اور تمہارے گمراہ علماء یہ اچھی طرح جان لیں کہ جب تک میں خدا کی حفاظت میں ہوں مجھے تم لوگ شریعت کی آڑ میں ہرگز سزا نہیں دے سکتے۔“

ہوں وہ ہرگز خود سے نہیں کرتا۔ بھلا ایک ایسا بندہ جس کے ایک ہاتھ میں شریعت اور دوسرے میں توحید ہو وہ بھلا خود سے کیا کہے گا۔ نادانو! میں تو وہ کہتا ہوں جو خدا کہلواتا ہے لیکن میری یہ باتیں نہ تمہیں سمجھ آئیں گی نہ تمہارے عالموں کو، میری باتیں صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو شریعت کو بھی سمجھتے ہیں اور خدا کو بھی۔“ خلیفہ یہ باتیں سن کر خاموشی سے پلٹ گیا۔

جب حضرت جنید بغدادیؒ کے وعظ کی شہرت عام ہوئی تو ایک دن ایک عیسائی نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”لوگ آپ کو شیخ زمانہ کہتے ہیں۔“

حضرت جنید بغدادیؒ نے عیسائی نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”یہ لوگوں کا حسن ظن ہے۔ اگر تم یہی بات کہنے کے لئے میرے پاس آئے ہو تو اپنا وقت برباد نہ کرو، میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ مقام شیخ بہت بلند ہے جو میری دسترس سے باہر ہے۔“

عیسائی نوجوان نے عرض کیا ”دراصل میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زبان سے پیغمبر اسلام کے اس کی قول کی تشریح سن سکوں کہ..... مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟“

عیسائی نوجوان کی یہ بات سن کر حضرت جنید بغدادیؒ نے سر جھکا لیا۔ حاضرین مجلس نے محسوس کیا جیسے حضرت جنیدؒ کسی خاص نکتہ پر غور فرما رہے ہیں۔ چند لمحوں بعد حضرت جنیدؒ نے سر اٹھایا اور عیسائی نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی نظر سے ہر چیز کا نور ہو جاوے۔“

حضرت جنیدؒ کا یہ ارشاد سن کر وہ عیسائی نوجوان آپ کے دست حق پرست پر ایمان لے آیا۔

حضرت جنیدؒ کی محفل میں اس وقت جو لوگ موجود تھے انہوں نے اس عیسائی نوجوان سے پوچھا ”تمہارا سوال تو کچھ اور تھا اور حضرت جنیدؒ نے اس کا جواب کچھ اور دیا۔“

عیسائی نوجوان نے کہا کہ ”حضرت جنیدؒ نے میرے سوال کا صحیح جواب دیا، میں بہت دنوں سے ایک عجیب سی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا کہ مذہب اسلام اختیار کروں یا نہ کروں؟ میرا دل اسلام کی حقانیت کی طرف مائل تھا مگر پیروں میں آباؤ اجداد کے عقائد کی زنجیر تھی۔ اسی دوران میں نے حضور اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سنی اور اس کی تشریح کے لئے حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اپنے کشف باطن سے میری ذہنی کشمکش کا حال معلوم کر لیا جس سے مجھے یقین آ گیا کہ واقعتاً مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ نے اپنی زندگی میں دو بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ پہلی بار سات سال کی عمر میں حضرت سری سقطیؒ کے ساتھ حجاز مقدس کا سفر کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کہا کرتے تھے کہ میں بنے اخلاص کی تعلیم اسی دوران ایک حجام سے حاصل کی۔ میرے مرشد اور ماموں حضرت سری سقطیؒ نے تلقین کر رکھی تھی کہ خبردار کسی کے آگے روٹی کے لئے ہاتھ نہ پھیلا نا۔ ایک دن میرے بال بڑھے ہوئے تھے اور مجھے ان سے سخت الجھن ہو رہی تھی۔ چنانچہ میں بازار نکلا دیکھا کہ ایک حجام کے پاس ایک امیر

آدمی بیٹھا بال بنوا رہا تھا۔ میں بھی حجام کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اسے مخاطب کر کے کہا ”خدا کے نام پر میرے بال کاٹ دو۔“

یہ سن کر وہ حجام فوراً مڑا اور اس آدمی کی حجامت چھوڑ کر اس نے مجھے عزت و احترام کے ساتھ یوں بیٹھایا گویا کہ میں معزز ترین اور امیر گاہک ہوں۔ پھر اس نے بڑے سلیقے سے میرے بال کاٹے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد اس نے مجھے ایک کاغذ میں چند درہم لپیٹ کر دیے اور کہا ”یہ حقیر سا نذرانہ ہے قبول فرما کر میری عزت افزائی کریں۔“

میں اس کے حسن سلوک سے بڑا متاثر ہوا اور دل میں عہد کیا کہ جو نبی مجھے کہیں سے کوئی مال ملے گا میں اس حجام کو ضرور یہ درہم لوٹا دوں گا۔ اتفاق سے ایک دن بصرے کے ایک شخص نے مجھے اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ میں وہ تھیلی لے کر اس حجام کے پاس آیا اور اسے پیش کرتے ہوئے کہا ”بھائی یہ تھیلی تمہارے اس احسان کا بدلہ تو نہیں ہو سکتی جو تم نے مجھ پر کیا تھا اگر تم اسے قبول کر لو تو مجھے دلی مسرت ہوگی۔“

یہ بات سن کر وہ حجام غصے میں بھڑک اٹھا اور کہنے لگا ”واہ میاں! تم تو خدا کے نام پر تجارت کرنے والے نکلے، میں نے اگر تمہاری کوئی خدمت یا مدد کی تھی تو صرف خدا کے نام پر اور اس کی راہ میں کی تھی۔ اب میں خدا کے نام پر کرنے والے کام کا معاوضہ لوں گا۔ یہ تم نے کیسے سمجھ لیا۔“

اسی طرح جب دوسری بار آپ مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور ارکان حج ادا کرنے کے بعد آپ مشائخ کی مجلس میں تشریف فرما تھے اور عشق الہی کے مسئلہ پر بحث مباحثہ ہو رہا تھا، ہر بزمِ علم و ادب اور مشاہدے کے اعتبار

سے عشق کے رموز و نکات بیان کر رہے تھے۔ حضرت جنید بغدادی پورے اشہاک سے مشائخ کے بیان سن رہے تھے۔ آخر ایک بزرگ آپ سے مخاطب ہوئے ”شیخ بغدادی آپ بھی تو کچھ فرمائیے کہ عشق الہی کیا ہے؟“

یہ سن کر حضرت جنید بغدادی نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر تک اسی طرح سر جھکائے بیٹھے رہے۔ جب آپ نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں آنسو تھے۔ آپ نے فرمایا.....

”اے رہروان کوچہ عشق! میں تم سے کیا کہوں کہ عشق الہی کیا ہے؟ جو بندہ اپنے نفس سے گزر جائے وہ اللہ کے قریب ہے۔ ایسے بندے کا دل اگر تجلیات حق سے جل جائے تو کیا تعجب ہے؟ اور اگر وہ مست و بے خود ہو جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قادر مطلق اس پر غیب کے پردے اٹھا دیتا ہے۔ پھر وہ کلام کرتا ہے تو اس کی زبان اللہ کے سوا کسی لفظ سے آشنا نہیں ہوتی۔ وہ حرکت کرتا ہے تو اللہ کے حکم سے اور اگر ٹھہرتا ہے تو اللہ کی مرضی سے، وہ اللہ کے لئے ہے اور اللہ ہی کے ساتھ ہے۔“

حضرت جنید کی یہ بات سن کر تمام مشائخ بے چین ہو کر رونے لگے اور سب نے بیک زبان کہا ”اے تاج العارفین! اس سے بڑھ کر عشق کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ اللہ آپ کے کمالات میں مزید ترقی عطا فرمائے۔“

اسی سفر حج کا ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی تن تنہا کعبہ کے طواف کے لئے بیت اللہ میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک عورت بھی کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ حضرت جنید بغدادی نے اجانک سنا کہ عورت پرسوز

عورت کے اس عمل کو برداشت کرتے رہے۔ جب اس عورت کی آواز طواف میں خلل انداز ہونے لگی تو آپ اس کے قریب پہنچے اور نہایت پُر جلال لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے۔ ”اے بے خبر! تجھے اس مقدس و محترم مقام پر اپنی ناپاک آرزوئیں بیان کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“

عورت نے اس حرکت پر معذرت کرنے کی بجائے اسی قسم کے چند اور اشعار پڑھے۔ حضرت جنیدؒ اس سے مزید کچھ کہنا چاہتے تھے کہ وہ آپ سے پوچھنے لگی ”میں کیا کر رہی ہوں، اس بات کو چھوڑ دو۔ تم یہ بتاؤ کہ خدا کا طواف کر رہے ہو یا خانہ خدا کا؟“

حضرت جنیدؒ بغدادی نے بلا کسی تامل کے جواب دیا ”میں اور تمام اہل ایمان خانہ خدا کا طواف کرتے ہیں۔“

حضرت جنیدؒ کا جواب سن کر عورت نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بے قراری سے پُرسوز لہجے میں کہا ”سبحان اللہ تیری مخلوق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو پتھر کی طرح بے حس ہیں اور پتھر کے گرد طواف کرتے ہیں۔ انہیں بتا کہ تیری مرضی کیا ہے اور تو ان سے کیا چاہتا ہے۔“ اس عورت کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حضرت جنیدؒ پر وجد کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو وہ عورت غائب تھی۔ جس نے آپ کو بڑے موثر اور منفرد انداز میں توحید پرستی کا سبق دیا۔

ایک دن ایک شخص حضرت جنیدؒ سے ملنے آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حج کر کے واپس آیا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے اس سے پوچھا ”جب سے تم گھر سے نکلے، رگنا ہوں سے بھی نہ بچتے رہے ہو یا نہیں؟“ اس

نے کہا نہیں۔ یہ سن کر آپ نے جواب دیا ”پھر تم نے سفر ہی نہیں کیا۔“
 پھر پوچھا ”دورانِ سفر جب تم کسی مقام پر رات گزارنے کے لئے
 ٹھہرے تو تم نے اس رات کوئی مقامِ قُرب طے کیا؟“ اس نے کہا نہیں۔
 آپ نے کہا ”تو تم نے منزل بمنزل سفر طے نہیں کیا۔“

پھر پوچھا ”جب تم نے احرام باندھا تو سابقہ لباس کے ساتھ ساتھ
 انسانی صفات مثلاً خود بینی، تکبر، بغض، حسد، حرص و طمع وغیرہ کو بھی دور کیا؟“
 اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنید نے کہا ”تو تم نے احرام ہی نہیں باندھا۔“
 پھر پوچھا ”جب تم نے میدانِ عرفات میں وقوف کیا تو مراقبہ
 ذاتِ باری کیا؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنید نے فرمایا ”تو تم نے وقوف
 ہی نہیں کیا۔“

پھر پوچھا ”جب تم مزدلفہ گئے اور دلی آرزو حاصل کی تو تمام نفسانی
 خواہشات سے قطع تعلق کیا؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنید نے فرمایا ”تو
 تم نے مزدلفہ ہی نہیں دیکھا۔“

پھر پوچھا ”جب تم نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تو جمالِ ذاتِ باری کا
 مشاہدہ کیا؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنید نے کہا ”تو تم نے سرے سے
 طواف ہی نہیں کیا۔“

پھر پوچھا ”جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو یہ مقامِ صفا
 حاصل کیا یا نہیں؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنید نے فرمایا تو تم نے سعی کی
 ہی نہیں۔“

پھر پوچھا ”جب تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو

قربان کیا؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کہا ”تو تم منیٰ میں گئے ہی نہیں اور قربانی بھی نہیں کی۔“

پھر پوچھا ”جب تم نے رمی جمار کی یعنی شیطان کو کنکریاں ماریں تو ان کنکریوں کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی دل سے نکال کر دور پھینکا؟“ اس نے کہا نہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کہا تو تم نے رمی بھی نہیں کی اور حقیقت یہ ہے کہ تم نے سرے سے حج ہی نہیں کیا۔ واپس جاؤ اور دوبارہ حج کرو۔ جس طرح میں نے بتایا ہے تاکہ مقام ابراہیمی حاصل کر سکو۔

ان چند واقعات سے حضرت جنید بغدادیؒ کی شخصیت کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ وہ ایک معتبر عالم تھے، ذہانت اور فطانت میں بے مثال تھے۔ تمام عصری علوم سے آگاہ تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، کلام، عقائد، الہیات، اخلاق اور تصوف کے مسائل پر مجتہدانہ شان سے گفتگو کرتے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہمیشہ تزکیہ نفس، مجاہدات اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ حضرت جنیدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تصوف سراسر اسلام پر مبنی ہے۔ انہوں نے ساری عمر اس بات کو ثابت کرنے میں بسر کر دی۔ ساری عمر شریعت کی پابندی کی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی تعلیمات و نظریات

حضرت جنید بغدادیؒ کے تعلقات و روابط مشاہیر صوفیا اور دینی مفکرین سے تھے۔ جو نہ صرف عراق بلکہ دور دراز علاقوں و ممالک میں ان کے ہم عصر تھے۔ اپنے گہرے دہمہ گیر علم اور اپنی گہری فکر کی بدولت انہوں نے اس زمانے کے متنوع افکار و تعلیمات کو اپنے اندر جذب کیا اور پھر اپنے تجربات و مشاہدات سے انہیں ایک خاص شکل عطا کی اور اپنے نظریات، تجربات و مشاہدات کا اضافہ کر کے اپنا ایک مخصوص صوفیانہ طریقہ اور فلسفیانہ نظام قائم کیا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے تصوف کو اسلام کے رنگ میں رنگا۔ اس لئے انہیں بجا طور پر شیخ الطریقت کا لقب دیا جاتا ہے۔ انہی کے ذریعے تصوف اپنی حالت کمال کو پہنچا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کی بہت سی تعریفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے دو تعریفیں درج ذیل ہیں۔

- ۱۔ تصوف یہ ہے کہ صوفی اس طرح خدا کی معیت میں زندگی بسر کرے کہ غیر اللہ سے اسے کوئی دلہنگا، باقی نہ رہے۔
- ۲۔ تصوف وہ کوشش یا در طلب کوئیدن ہے جس میں ایک انسان اپنی پوری زندگی بسر کر دیتا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں مختلف مذہبی فرقوں میں عقیدہ توحید الہی پر خاص طور سے بہت توجہ دیا گیا اور اس بحث میں خاص

طور پر معتزلہ پیش پیش تھے جن کا اس زمانے میں کافی اثر و رسوخ تھا اور انہیں اہل توحید ہی کہا جاتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تہہ تک پہنچنے کے لئے عقل کا ذریعہ استعمال کرتے تھے جو انہیں بہت پیچیدہ اور الجھے ہوئے نتائج تک لے آیا تھا۔ اس کے برعکس صوفیاء عقل اور اس کے نتائج سے مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے وہ خدا کی وحدانیت کا تجربہ احساس اور الہام کی مدد سے کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے علم کے ذریعے عمل کیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ توحید کے متعلق سب سے بہترین قول حضرت ابو بکرؓ کا ہے کہ ”تعریف ہو خدائے عزوجل کی جس نے اپنے بندوں کو اپنا علم حاصل کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ عنایت نہیں فرمایا، سوائے ان کے عجز و بے بسی کے جو انہیں اس کا علم حاصل کرنے میں درپیش آتی ہے۔“

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جنیدؒ کے نزدیک توحید ادراک عقلی کے دائرے سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ جیسا کہ آپ کا ایک اور قول ہے کہ ”توحید ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی راہ کے نشانات مٹ جاتے ہیں اور علامات مدہم پڑ جاتی ہیں اور ذاتِ خداوندی جس طرح تھی ویسی ہی رہتی ہے۔“

اس قول کی مزید وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں!
 ”اگر فہم کا ادراک توحید پر جا کر ختم ہوتا ہے تو یہ گویا ایک جہالت ثبات و قرار پہ جا کر ختم ہوتا ہے۔“ ایک موقع پر آپ بیان کرتے ہیں کہ ”توحید ایک ایسا مفہوم ہے کہ ماوجود نہ کہ اس میں کچھ نہیں اور نہ اس میں کچھ ہے، اس

کی پوری تعریف اور وضاحت ہونے ناممکن ہے۔“

حضرت جنیدؒ نے اپنے بہت سے رسائل میں توحید کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے اس موضوع کو خصوصیت کے ساتھ اس جگہ واضح کیا ہے جہاں انہوں نے موحدین (یعنی اہل توحید) کے درجات متعین کئے ہیں اور ان کی الگ الگ علامات نہایت تفصیل سے بیان کی ہیں۔ وہ اپنے ایک خط میں فرماتے ہیں!

”جان لو کہ توحید لوگوں کے اندر چار درجوں میں پائی جاتی ہے۔ پہلا درجہ تو عوام الناس کی توحید ہے، دوسرے درجے میں وہ توحید آتی ہے جو ان لوگوں کے اندر پائی جاتی ہے جو دین کے روایتی علم سے بہرور ہوں، تیسرے اور چوتھے درجے کی توحید کا تجربہ ان خواص کو ہوتا ہے جنہیں معرفت ہوتی ہے۔“

علمائے دین اہل توحید کی اس درجہ بندی سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس لفظ ”توحید“ کے درجات متعین نہیں کئے جاسکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ توحید دو غلط انتہاؤں کے درمیان ایک صحیح راستہ ہے اور بس۔

امام غزالیؒ اس کا حل یہ کہہ کر بتاتے ہیں کہ توحید کی درجہ بندی کے معنی یہ ہیں کہ ہر اہل ایمان ایک خاص مقام پر ہوتا ہے جو دوسرے کے مقام سے مختلف ہوتا ہے۔ توحید کی اس درجہ بندی کی کوشش میں حضرت جنیدؒ کے پیش نظر ہر فرد کا اپنا خاص مقام ہوتا ہے۔ مثلاً وہ ایک عام آدمی کی توحید ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”جہاں تک ایک عام آدمی کا تعلق ہے، اس کا اظہار خدا کو وحدہ لا شریک قرار دینے، نیز بہت سے خداؤں، ساتھیوں، حریفوں، ہمسروں اور شبیہوں کا ابطال کرنے میں ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ”غیر خدا“ طاقتوں سے اُمید و خوف بھی وابستہ رکھے جاتے ہیں۔ اس طرح کی توحید اپنے اندر صرف ایک فائدہ اور اثر رکھتی ہے کہ اس میں اقرار و احقاق بہر صورت قائم رہتا ہے۔“

توحید کے دوسرے درجے کے بارے میں حضرت جنیدؒ اس طرح بیان کرتے ہیں!

”رہی ان لوگوں کی توحید جو علم ظاہر (باضابطہ مذہبی علم) سے بہرور ہیں تو اس کا اظہار خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار، نیز دوسرے خداؤں، شریکوں، حریفوں، ہمسروں اور مشابہتوں کے رد و ابطال سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جہاں تک ظاہری اعمال کا تعلق ہے ان میں ایجابی احکام کی بجا آوری کی جاتی ہے اور فقہی امور سے اجتناب کیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہوتا ہے اس طبقہ کی اُمیدوں، خواہشوں اور اندیشوں کا۔ اس نوع کی توحید میں بھی ایک حد تک ضرور افادیت ہے۔ اس لئے کہ اس طرح خدا تعالیٰ کی وحدت کا علی الاعلان ثبوت مہیا کیا جاتا ہے۔“

توحید کے یہ دونوں درجے معرفت الہیہ میں وہ بلند ترین مدارج نہیں

ہیں جہاں انسان پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ توحید کے اگلے درجے کے متعلق بیان کرتے ہیں!

”اس کے بعد توحید خاص کا درجہ ہے اور اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور ارباب و انداد اور اشکال و اشیاء کو نظر و مشاہدہ سے ساقط کر دیا جائے اور خدا کے حکم کو ظاہر و باطن دونوں میں نافذ کیا جائے اور خدا تعالیٰ کے ماسوا دوسری ہستیوں سے اُمید و خوف کے جذبات کو بالکل ختم کر دیا جائے اور یہ سب کچھ نتیجہ ہو انسان کے اس تصور کا کہ حق تعالیٰ کی ذات ہر جگہ، ہر آن اس کے ساتھ موجود ہے۔ نیز یہ کہ حق تعالیٰ اسے پکارتا ہے اور وہ اس کا جواب دیتا ہے۔“

یہ درجہ بھی وہ مکمل توحید نہیں جہاں ایک موحد پہنچ سکتا ہے۔ اس سے بھی بلندتر درجہ حضرت جنیدؒ کے نزدیک ایک اور تجربے کا ہے جو توحید کا آخری درجہ ہے۔ وہ اسے یوں بیان کرتے ہیں!

”توحید خاص کی دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے وجود کے احساس سے یکسر عاری ہو کر ایک خیالی وجود کی صورت میں حق تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہ ہو۔ پھر جس جس طرح اس ذاتِ مطلق کی قدرتِ کاملہ طے کرتی ہے اسی کے مطابق اس خیالی وجود پر مختلف صورتوں میں اثر انداز ہوتی

ہے۔ اسے توحید ذاتِ حق کے بحرِ زخار میں پوری طرح غرق کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ خیالی وجود اپنی ذات میں بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ پھر نہ حق تعالیٰ کی ندا کا سوال باقی رہتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس ندا کے جواب کا۔ یہاں پہنچ کر اسے حق تعالیٰ کی وحدانیت کا کامل ادراک اس کے قُرب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس حالت میں انسان کے اندر جس اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو چیز حق تعالیٰ نے اس سے طلب کی تھی وہ اس نے خود ہی اسے مہیا کر دی۔“

اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ اس کی اپنی کوئی رضا، کوئی خواہش باقی ہی نہیں رہتی۔ اس آخری درجے کو بیان کرتے ہوئے وہ مزید فرماتے ہیں کہ!

”اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آخری درجے میں پہنچ کر ایک سالک اپنی اس پہلی حالت میں آ جاتا ہے جہاں کہ وہ اس دُنیا میں آنے سے پیشتر تھا۔“

حضرت جنید کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم آب و گل میں آنے سے پہلے عابد کی ایک اور ہستی بھی تھی جس کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ملتا ہے!

”اور جب کہ آب علیہ السلام کے رب نے اولادِ آدم علیہم السلام کی ترجمہ

کے اوپر گواہ بنایا (اور ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا، ہاں بیشک کیوں نہیں۔“

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ اس نے اولادِ آدم سے اس وقت خطاب کیا جب وہ خارجی دُنیا میں موجود نہ تھی، مگر وہ علمِ خداوندی میں ضرور موجود تھی لیکن یہ ہستی اس نوعیت کی نہیں تھی جو مخلوقات سے منسوب ہے۔ اس کی ماہیت اور نوعیت فہمِ انسانی سے باہر ہے۔ اس کا صحیح علم تو صرف اللہ کو حاصل ہے۔ جب اللہ نے اولادِ آدم کو اپنے حضور میں طلب کر کے سوال کیا اور انہوں نے اس کی ندا پر لبیک کہا تو یہ اقرار یا اس کی صلاحیت بھی اللہ کی طرف سے ایک تحفہ یا انعام تھا۔ یہ بھی اسی کی ذات کا کرم اور احسان تھا۔ اس نے ان کو وجود میں لا کر گویا ان کی طرف سے خود ہی جواب دے دیا۔ دراصل یہ جواب خدا ہی کی طرف سے تھا اور ارواحِ اولادِ آدم صرف اس (خدا) کے قول کی ناقل تھیں، اپنی ندا اور پکار کا مدعا سمجھایا اور اپنے وجود سے انہیں اس وقت آگاہ کیا جب کہ وہ محض مشیتِ الہی تھے، جو اس ذات نے ایک عارضی وجود کی شکل میں اپنے سامنے لا کھڑی کی تھی۔ پھر اس نے اپنے ارادے سے انہیں ایک بیت سے دوسری بیت میں منتقل کیا۔ انہیں نطفے کی طرف ایک چیز بنایا، اپنی مشیت سے اسے خلقِ بخشا اور صلبِ آدم میں اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان سے ایسی حالت میں ہم کلام ہوا جبکہ ان کا اپنا کوئی وجود ہی نہیں تھا سوائے اس ذاتِ برحق کے وجود کے، جو انہیں ہر طرف سے شامل تھی۔ وہ ایسی حالت تھی کہ جس میں ان کا وجود اپنے آپ کے لئے نہیں بلکہ حق تعالیٰ

کے لئے اور اسی کے وجود میں محصور تھے۔“

چنانچہ حضرت جنیدؒ کے نزدیک ہستی دو قسم کی ہے۔ ایک ہستی ایزدی جو زمان و مکان سے بالاتر ہے اور دُنیا میں آنے سے پہلے ہم کو وہی ہستی نصیب تھی (دوسرے لفظوں میں ہم علم باری میں موجود تھے یا حق تعالیٰ کی ذات کے اندر موجود تھے)۔ دوسری قسم وہ ہے جو اس عالم مخلوق کے اندر رہنے سے عبارت ہے۔

پہلی قسم کو وہ یوں بیان کرتے ہیں!

”یہ ایزدی ہستی جس میں ہم تھے کامل ترین ہستی ہے انسان کی۔ پس یہی وہ وجود ربانی اور وہ خدائی تصور ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو زیبا نہیں۔ ہماری یہ پہلی ہستی ہی دراصل حقیقی ہستی یا وجود ہے لیکن اس ہستی کی نوعیت ہماری فہم سے باہر ہے۔“

آگے چل کر فرماتے ہیں!

”ایسا وجود کوئی شک نہیں کہ سب سے زیادہ مکمل اور کارگر ہوتا ہے۔ نیز یہ اس عام وجود کے مقابلے میں جس میں ایک عام عبادت گزار دیکھا جاتا ہے، زیادہ اہمیت کا حامل، زیادہ قوی اور غالب اور تسلط اور اصطلاح تام کے لئے زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حالت میں اس کا اپنا نشان مٹ کر رہ جاتا ہے اور اس کا الگ وجود گویا باقی ہی

وجود اس چیز کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا جو ہم نے اوپر بیان کی ہے یعنی وجود حق اور اس کا غلبہ و استلاء۔“

وہ مزید فرماتے ہیں!

”اس وقت وہ مخلوق انسانی کو ایسے معنی میں وجود میں لے آیا کہ جس کی حقیقت سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی دوسرا اس کا راز پاسکتا ہے۔“

پھر فرماتے ہیں!

”تو گویا انسان کی اس مذکورہ حالت وجود کی نسبت سے حق تعالیٰ کا وجود کچھ ایسی نوعیت کا تھا جسے وہ خود ہی بہتر جانتا اور اس کی حقیقت پہچانتا ہے۔ کون موجود تھا؟ اور وجود سے پہلے اور کون موجود ہو سکتا ہے؟ کیا خالص پاکیزہ مقدس ارواح کے سوا کوئی اور ہستی خدا کی قدرت و مشیت کاملہ کے مطابق جواب دے سکتی تھی۔“

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت جنیدؒ کی تعلیم کے مطابق توحید کی آخری منزل میں سالک اسی حالت اصلی کی طرف عود کرتا ہے۔ جس میں وہ قبل تخلیق موجود تھا۔ یعنی وہ اپنی مادی دنیاوی زندگی سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے۔ اس کی نارمل انسانی زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی بدولت وہ خدا کی ہستی میں ضم ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر توحید کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور وہ حقیقی معنوں میں موحد بن جاتا ہے۔ نقوشِ اغیار اس کے پردہ چشم سے اٹھ جاتے ہیں۔ اس کا ہر طرف خدا ہی خدا نظر آتا

ہے۔ قوسِ قزح کے رنگوں میں، شفق کی سرخی میں، گلاب کی خوشبو میں، دریا کی روانی میں، بلبل کی نغمہ سرائی میں، صحرا کی وسعت میں، پہاڑوں کی رفعت میں، بچے کی معصومیت میں، جواں مرد کی طاقت میں، عورت کی نزاکت میں، محبت کے نیاز میں، محبوب کے ناز میں، کوئل کی کوک میں، عاشق کی ہوک میں، عاشق کی فریاد میں، معشوق کے تبسم میں، مؤذن کی اذان میں، پردہت کے ناقوس میں..... ہر جگہ اسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے اور وہ ہر شے میں خدا ہی کو دیکھتا ہے۔

جب تک سالک کی ذاتی شخصیت برقرار رہتی ہے من و تو کا امتیاز باقی رہتا ہے، وہ توحید کی اس اعلیٰ منزل تک نہیں پہنچ سکتا (وجہ یہ ہے کہ جب تک اپنی انفرادیت کا احساس باقی ہے اس وقت تک دوئی باقی ہے)۔ یعنی سالک کو یہ یقین ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور بھی (حقیقی معنوں میں) موجود ہے اور دوئی سالک کے لئے سب سے بڑی آفت ہے۔ وہاں توحید کہاں؟

اسی طرح حضرت جنید اہل توحید کے ایک اور نظریہ ”فنا“ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ حضرت جنید کا نظریہ میثاق جس کا ذکر پیچھے ہوا اور نظریہ فنا دونوں ایک ہی منزل کی طرف لے جاتے ہیں جو توحید کا بلند ترین مقام ہے۔ یہ دونوں راستے مختلف ہیں مگر حقیقت میں ایک ہی ہیں۔

پہلا راستہ رجوع اللہ کی حالت کو بیان کرتا ہے جبکہ دوسرا راستہ اس حالت کو پہنچنے کے لئے طریقہ کار وضع کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ کیسی ریاضت کرنی چاہئے اور کون کون سے قدم کیے بعد دیگرے اٹھانے چاہئیں۔

چنانچہ جو لوگ بقول حضرت جنید اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلتے ہیں وہ آخر کار اپنی مرضی اس کی مرضی میں فنا کر دیتے ہیں۔ حضرت جنید فنا کے تین درجے بیان کرتے ہیں جن کی تعریف اور وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں!

”پہلی منزل یہ ہے کہ تم اپنی صفات، ذاتی اوصاف اور مزاج کی قید سے آزاد ہو جاؤ اور اس حالت میں اتباع شریعت میں اپنی خواہشات کی بجائے اللہ کی مرضی پر عمل کرو اور اپنے نفس کی خواہشات کو فنا کر کے اس کی بجائے اسے وہ چیز دو جس سے وہ نفرت کرتا ہے، دوسری منزل یہ ہے کہ بندہ لذتِ حسی سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔ یہاں تک کہ طاعات میں جو لذت ایک عابد و زاہد کو ملتی ہے اس کا احساس بھی ختم ہو جائے۔ خود اسی کے اور صرف اسی کے ہو جاؤ اور تمہارے اور ذاتِ حق کے درمیان کوئی

واسطہ باقی نہ رہے، تیسری منزل یہ ہے کہ یہ شعور بھی فنا ہو جائے کہ مجھے خدا کی حضوری حاصل ہے، تجلیات ربانی کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ تمہارے اس وجود موجود کی حقیقت تمہاری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ اس حالت کے بعد بندہ صرف اللہ کے لئے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اگرچہ مادی جسم باقی رہتا ہے مگر شخصیت فنا ہو جاتی ہے۔“

پہلی منزل کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے۔ اس میں بندہ اپنی ذاتی اور نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ایک سچے مسلم کی حیثیت سے اللہ کے احکام کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے حضرت جنید صفات، اخلاق اور مزاج کی قید سے آزاد ہونا کہتے ہیں۔ اس کے لئے اسے مسلسل مجاہدہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ خالص زاہدانہ زندگی بسر کر سکے۔ فنا کی یہ منزل اخلاقی اور ظاہری زندگی سے متعلق ہے۔

فنا کی دوسری منزل کا مطلب یہ ہے کہ ایک عبادت گزار اپنے آپ کو لذاتِ جسمانی سے بالکل قطع تعلق کر لے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی میں جب وہ اتباعِ شریعت کرے اور اعمالِ صالحہ سے جو مسرت انسان کو ہوتی ہے اس احساس سے بھی عاری ہو جائے۔ فنا کی یہ منزل سالک کی ذہنی و باطنی زندگی سے متعلق ہے۔

فنا کی تیسری منزل کا مفہوم یہ ہے کہ سالک کو اس بات کا شعور بھی نہ رہے کہ مجھے ذاتِ حق کی حضوری کی عزت حاصل ہو گئی ہے۔ خدا کے حضور

میں اسے اپنی ذات کا شعور باقی نہ رہے۔ اس منزل میں سالک کی شخصیت ذاتِ حق میں گم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر وہ لوگوں کو چلتا پھرتا نظر آتا ہے لیکن درحقیقت اس کی انفرادیت اس کا ذاتی تشخص فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ اپنے آپ میں اب اس کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس کی کوئی انفرادی ہستی باقی نہیں رہتی اور وہ ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ اور اسی کے اندر رہنے لگتا ہے۔

فنا کی آخری منزل پر پہنچ کر سالک بقاء باللہ یا باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ انسان فنا ہو کر خدا تعالیٰ کے اندر باقی اور جاوداں ہو جاتا ہے۔ اصل میں فنا اور بقاء دو مختلف پہلوؤں سے ایک ہی حالت میں دو نام ہیں۔ حضرت جنیدؒ کا مطلب فنا سے فنائے کلی (نروان) نہیں ہے بلکہ وہ حالت ہے جس میں سالک اللہ کے ساتھ بقا کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ابدی زندگی بسر کرتا ہے لیکن حضرت جنیدؒ کہتے ہیں کہ اس بقا باللہ کی حالت میں بھی سالک ذاتِ باری کا ادراک نہیں کر سکتا۔ وہ خدا کے ساتھ تو ہے مگر خدا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس ایزدی حالت میں بھی بندہ بندہ ہی رہتا ہے۔

اس تصریح سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت جنیدؒ نے غیر اسلامی عقیدۃ الحاد سے اپنا دامن بچا لیا ہے۔ چونکہ اس جگہ یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید بندہ خدا سے متحد ہو کر خدا بن جاتا ہے۔ اس لئے حضرت جنیدؒ نے اس کی وضاحت کر دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا بندہ بہر حال بندہ ہی رہتا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فنا کی جو تعلیم دی ہے آپ کی صوفیانہ تعلیمات میں یہ نکتہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

کے مفہوم کو نہیں سمجھا ہے اور گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ ابو نصر سراج نے لکھا ہے کہ! ”بغداد کے بعض صوفیاء نے اپنے عقائد میں ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے فنا کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ جب سالک ذاتِ باری میں فنا ہو جاتا ہے تو خدائی صفات سے متصف ہو کر خدا بن جاتا ہے لیکن یہ عقیدہ سراسر کفر ہے کیونکہ اس کا مطلب حلول ہے اور یہ عقیدہ عیسائیوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا مسیح میں مجسم ہو گیا۔ فنا کو مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ اپنی ذاتی صفات کو فنا کر دیتا ہے تو وہ اپنی مرضی کی بجائے اللہ کی مرضی پر چلتا ہے اور یہ ایک مقام ایک حالت ہے ان لوگوں کی جو توحید کے متلاشی ہوتے ہیں اور یہ توحید کی آخری منزل ہے۔“

اسلامی تصوف میں حضرت جنید کا مقام یہ ہے کہ انہوں نے توحید کی تعلیم کو مرتبہ کمال تک پہنچایا جس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بعد صوفیاء نے توحید پر جو کچھ لکھا اس میں انہی کی تعلیمات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اسی لئے وہ سید الطائفہ کہلاتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کی تعلیمات کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب جس کا نام معالی الہم ہے۔ اس کتاب کو امام معرفت واصل حق اسرار و رموز کے مالک و شناسا معرفت کی راہ کے لئے بے مثال امام اور معرفت کی ظاہری اور باطنی تمام واردات کو جاننے والے، تجلیات کو روشن کرنے والے، عارفوں کے گروہ پر سورج کی روشنی کی طرح نور لانے والے، پردوں کو دور فرما کر طالب معرفت کو وصل کا قرب دینے والے، اسرارِ لاہوتی اور رموزِ جبروتی کو واضح کرنے والے، اللہ کے چمکتے ہوئے شعلہ کے ساتھ چمکانے والے اور اللہ کی رضا کے طالب اور اللہ کی ذات میں گم ہونے والے، کراماتِ الہی کے مختلف دلائل کو جاننے والے اور خدا کے روشن اور واضح برہان قطب الاقطاب حضرت سیدنا جنید بغدادیؒ جن کی بلندیِ شان کی حد نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر نعمتیں عنایت فرمائی ہیں کہ جن کی کوئی حد نہیں۔ اس عظیم علم کی نورانیت کے مطابق آپ نے اس کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں!

”تمام تعریف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ہیں کہ اس نے بلند ہمتوں کے ساتھ بعض حضرات کو برگزیدہ فرمایا اور اسی ذات نے ان حضرات کی ہمتیں بلند فرمائیں۔ یہاں تک کے ان کو اپنے وصال کی لگن لگا دی اور اپنے خاص احسان سے اصفیاء کے فکر کو نہایت بلند کر دیا اور اپنی خاص عنایت فرما کر اولیاء کرام کے دلوں کو اپنے جمال کی تجلیات سے بھر دیا اور اپنی محبت سے مشرف فرمایا۔ حمد و ثناء اس کے لئے ہے جس کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور نہ اس کی بارگاہ کو چھوڑ کر کسی اور کو پوجنا چاہئے اور نہ اس کے سوا

کوئی دوسرا ذمہ ہی لے سکتا ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی رہنمائی کر سکتا ہے اور نہ ہی دلیل بن سکتا ہے لہذا ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اس معبود حقیقی نے اپنی بارگاہ کے طالبوں کی روحوں کو توحید کے ذکر سے پاکیزہ کر دیا ہے اور انہیں شرک و گناہ سے بچالیا اور فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ خاموش رہنے والوں کے دلوں میں کیا راز پوشیدہ رکھا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ہم ان دلوں سے بھی واقف ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ عاشقوں پر دن رات کی گھڑیاں کتنی لمبی ہو جاتی ہیں اور وہ وصل کے طلبگار دلوں سے پردہ دور فرماتا ہے اور عارفوں کی بلند ہمتوں سے واقف ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور آنحضرت ﷺ اللہ کے نہایت روشن دوست ہیں اور اس کی تمام مخلوق میں بہترین خلق ہیں اور یہ وہ ذات ہیں کہ جن کے آنے کے ساتھ حق زمین پر آ گیا اور اظہار نبوت کے ساتھ باطل مٹ گیا اور حضور اکرم ﷺ کے نور پاک سے تمام زمین منور ہو کر جگمگا اٹھی۔

لا تعداد درود و سلام آپ پر اور آپ کی آل اظہار پر نازل ہوں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں! ”میرے بھائیو اور دوستو! میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو غفلت کی نیند سے بیدار فرمائے اور خواہشات نفسانی و غفلتِ روحانی کی نیند سونے والے کب تک سوتے رہیں گے۔ اے اللہ ہم کو وہ راز دکھا دے جو صدیقوں پر پوشیدہ رکھا گیا اور اہل صدق نے اس کو تلاش کیا۔ اے اللہ عزوجل کیا عجیب شان کہ یہ طالب ہیں جو تیری

تلاش کرتے ہیں۔ marfat.com

خوب جان لیجئے کہ ہر ہشیار اور خبردار آدمی اس کی پناہ میں آتا ہے۔ اس کی قسم میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں مگر وہ صدیق اور صدیقِ معرفت وہی ہیں جو صاحبِ ہمت ہیں اور یہ بلند ہمت عارف آپ کو صوفیاء کے گروہ میں ملیں گے۔

اور میں نے جب اولیاء کے گروہ پر نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ اکثر اس زمانے کے صوفیاء علمِ طریقت و معرفت سے بے خبر اور سلوک سے ناواقف ہیں بلکہ جہالت یہ ہے کہ اپنے نفس کا خود اندازہ نہیں کرتے اور اپنی ہمت کی بلندی کو نہیں پہچانتے اور نہ کبھی یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی قلبی وسعتیں اللہ ﷻ کے ہاں کس قدر بلند اور قیمتی ہیں اور نہ کبھی یہ سوچتے ہیں کہ اللہ کریم کے احسانات و عنایات کس قدر زیادہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کس قدر محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ان حضرات کو اپنی معرفت کے لئے چن لیا ہے اور اپنی بارگاہ میں انہیں جگہ دی اور ان کو دعوت دی ہے کہ میرے اور قریب ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے جنابِ مقدس سے ان پر شفقت کو نازل فرما کر انجام سے بے خبر کر دیا اور منزل بہ منزل واقف فرما کر ان پر احسانِ عظیم کیا ہے اور اس نے ہمیں دل دیئے اور دلوں کو محبت دے کر حبیبِ اکبر کا لقب خود اختیار فرمایا اور عزت و جلال کی وادیوں میں خود پردہ فرما کر ہمیں دعوتِ دیدار دے کر دیدار کی طلب لگا دی۔ جن بندگانِ بارگاہ نے اس کو طلب کرنا تھا وہ خواہشات کے اندھیرے صحراؤں میں حیراں و سرگرداں ہو گئے۔ اس فن کے استاد اس طرح بے خبری سے چلے گئے کہ مولا کریم کی عبادت کو جہشِ کمال کے لئے اپنی ہر وہی اور خواہشات کی پوجا کرنے

لگے اور نفس کے اس فریب میں یوں کھو گئے کہ سمجھتے ہی نہیں اور وہ قوت جو ان کو پہچان میں لا کر دلوں کو بیدار کرنے والی ہوتی ہے وہ قوت حرارتِ عشق تھی، وہ اس قدر سرد ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کرنے کے قابل ہی نہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ جب صدقِ یقین کی طرف ان کو دعوت دی جائے تو وہ قبول کر لیں لیکن وہ چنگاریاں جن کو قدرت نے عشق کے لئے ان کے دلوں کے اندر رکھا تھا وہ یوں سرد ہو گئیں کہ اب یقین نہیں آتا کہ کبھی یہ آگ روشن ہو جائے گی۔ انہی کمزوریوں اور ہمتوں کی پستیوں اور گمان کی برائیوں کو دیکھ کر میں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک کتاب لکھوں جس کے مطالعہ سے پست ہمتیں بلند ہو جائیں اور یقین میں کمال پیدا ہو جائے اور عشق کی دبی ہوئی چنگاریاں دوبارہ روشن ہو کر عشق کی آگ لگا دیں اور جاہلوں کو ان کی جہالت سے نکال لیں۔ کتاب کا لکھا جانا اللہ کی عنایت اور اس کی توفیق سے ہے اور اس کے احسان سے علومِ معرفت کو قلم بند کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مریدوں کو علمِ معرفت سے واقف کر دیا جائے اور اللہ کی طرف راغب ہونے والوں کو غور و فکر کا ملکہ حاصل ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کو آدابِ محبت بارگاہِ الہی سیکھا دیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہر اس شخص پر اپنی خاص رحمت و مہربانی فرمائے جو اس کتاب کو غور و فکر کے ساتھ اور عزت و حرمت کی نگاہ سے پڑھے اور جن مضامین کو اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ اس طرح کے ہیں کہ جس سے عارف کی ہمت و استعدادِ بلند ہو سکے اور اہلِ دنیا کی بلندی سے

واقف ہو جائے۔ عارف پر یہ لازم ہے کہ جو اس راہ کا شعور نہ رکھتا ہو اس کے سامنے اپنی واردات قلبی کو بیان نہ کرے۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں کی عقل اس طرح کی نہیں ہوتی کہ وہ ان واردات قلبی کو جان سکیں اور اس کو جاننے والا گروہ نہایت مختصر ہے جو قلبی واردات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اس معرفت کی راہ پر چلنے والے اپنی تعداد میں بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور کوشش کرنے والوں کی کمی ظاہر ہے اور عارفوں کے مرتبوں سے بھی بہت کم لوگ واقف ہوا کرتے ہیں اور اہل اللہ کی عزت و حرمت اور شرف و بزرگی سے بھی اکثر لوگ ناواقف ہوتے ہیں۔ لہذا اہل ہمت و سلوک کو اپنے اشارات جہلا عوام سے محفوظ رکھنے چاہئیں۔

اللہ جل جلالہ ہم سب کو اپنی جناب مقدس کی طرف آنے کی توفیق و برکت عنایت فرمائے اور میں اللہ تعالیٰ سے توفیق و قوت طلب کرتا ہوں ان اعمال پر جن کو وہ پسند فرماتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں کہ وہ ہم کو حق پر ثابت قدم رکھے اور اس کی ذات مقدس پر توکل کرتے ہیں بے شک وہ قوت و احسان کا مالک ہے اور قدرت فضل والا ہے اور بخشنے والا مغفرت کرنے والا اور رضا کا مالک ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ مزید فرماتے ہیں! ”اللہ والو جان لو کہ دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمت کے پر پیدا کئے ہیں جن سے انسان اُڑ کر اپنے مقاصد حاصل کرتا ہے۔ مختلف ہمتوں کے انسان اپنی اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں لگے رہتے ہیں۔ دل کی مثال اُڑنے والے پرندوں کی طرح ہے ہر پرندہ اپنی پرواز کے لئے ضرورتاً اُڑنے والا ہے اور اس کی طرف آنے

بازوں اور پروں کی قوت سے اڑتا ہے۔ جس قدر اس کے بازو طاقتور ہوں گے اور پر مضبوط ہوں گے اور بدن تندرست و توانا ہوگا اس کی پرواز اس قدر زیادہ پختہ اور حوصلہ مند ہوگی۔ اس تمام نظام کے باوجود پرندے کو اس وقت خوشی حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا اور جب پرندے کی متعین کی ہوئی منزل آ جائے گی تو وہ پرندہ اپنی پرواز بند کر کے نیچے اتر آئے گا اور اپنی منزل پر پہنچ کر آگے نہیں بڑھے گا۔

اسی طرح تمام انسانوں کی پرواز ہے کہ وہ اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ہمت کے مطابق پرواز اور استعمال کرتے ہیں اور یہ یقین کی قوت اور ارادے کی پختگی کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ مقصد کے حاصل ہو جانے کی صورت میں انہیں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جب یہ اپنے مقصود میں کامیاب و بامراد ہو جاتا ہے تو انسان رُک جاتا ہے اور اس سے آگے جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اسی پرواز کی جانب قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی ﷺ کہہ دو ان لوگوں سے کہ ہر شخص اپنی باطنی شکل کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ انسان کی قدر و قیمت بھی اسی ہمت کے مطابق ہے اور اللہ کے نزدیک بھی اس کی قدر و منزلت اسی ہمت کے مطابق ہے اور جب لوگوں کی ہمتیں اور ارادے مختلف ہیں تو جس نے اپنی ہمت کی پرواز کو دنیا کی طلب میں لگا دیا تو اس شخص کی ہمت بیکار گئی۔ صرف وہ حصہ دنیا جو اس نے حاصل کر لیا ہے اس کے لئے وہی ہے اور جس شخص نے اپنی ہمت کی پرواز اور اس کی تمام حرکات و سکنات کو آخرت کے حصول کے لئے وقف کر دیا تو اس شخص نے حصولِ جنت کی پرواز کی ہمت و ارادہ کی

ایک اندازاً قیمت لگا لی۔ ان کے برعکس جس شخص نے اپنی ہمت کی تمام حرکات و سکنات و ارادے کو اللہ کی طلب میں لگا دیا اس شخص کی پرواز کی کوئی آخری قیمت نہیں لگا سکتا اور نہ ہی اس کی کوئی آخری حد ہے اور نہ اس شخص کی قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے قبول کر لیا ہے۔ اس لحاظ سے انسان کے تین گروہ بن گئے!

۱۔ طالبانِ دُنیا

۲۔ طالبانِ عقبیٰ

۳۔ طالبانِ مولیٰ

ان تینوں گروہوں نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے مقاصد کے حاصل ہونے کی دعائیں مانگیں۔ دُنیا دار نے اللہ تعالیٰ سے دُنیا کو مانگا، آخرت کے طلبگار نے جنت طلب کی اور اللہ کے طلبگار نے اللہ کریم سے اسی کو مانگا۔ ہر مانگنے والے نے یہاں بھی اپنی پرواز کے مطابق سوال کیا اور اپنی اپنی مرادوں کو سامنے رکھ کر اللہ کریم سے مطلب براری کا تقاضا کیا۔ جس کے دل پر دُنیا کی نعمتیں اپنا اثر کر چکی تھیں وہ دُنیا پر عاشق ہو گیا اور دُنیا کو طلب کرنے لگا اور اپنے معشوق سے منت و سماجت کرنے لگا اور اللہ سے بھی یہی عرض کیا کہ یا اللہ مجھے دُنیا دے۔ یہ شخص دُنیا کو طلب کرنے کے لئے اللہ کی بارگاہ میں درخواست گزار ہوا۔ حقیقت میں اس شخص نے تو دُنیا کو مانگا لیکن عادت کے مطابق چند دوسری دعائیں بھی طلب کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علمِ کامل کے مطابق جو چاہا اس کو عنایت فرمایا۔ دوسرا وہ شخص جس کے دل میں آخرت کی اچھائی کو حاصل کرنے کا جذبہ اور وہ ہو گیا اور جو جو نعمتیں

اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیار کیں اور ان کی خبر دی سونے چاندی کے محلات اور حور و غلمان اس کا عشق ان چیزوں سے ہو گیا۔ اپنی مطلوب کو چھوڑ کر دوسری طرف جانا ناممکن تھا۔ لہذا اس نے اللہ کریم سے عرض کی اور شبِ دروز دُعائیں مانگیں کہ اے اللہ مجھے جنت عطا کر دے اور بعض دوسری دُعائیں بھی عادت کے مطابق مانگیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق جس قدر چاہا آخرت سے اس کو حصہ عطا کر دیا۔

بہت سے انسان ایسے ہیں کہ جن کے دلوں میں اپنے خالق و مالک کی محبت جلوہ گر ہوتی ہے اور ان کے ارادہ کی دُنیا ہر طرف سے ہٹ کر اللہ کی طرف راغب ہو جاتی ہے، شوق میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ دل میں حرارتِ عشق غالب آ کر بدن کی ہر کدورت کو جلانے لگتی ہے۔ پھر یہ حالت ہوتی ہے نظریں دیدار کے شوق میں تجلیات کا انتظار کرتی ہیں۔ طالبِ قریب سے قریب ہوتا جاتا ہے اور عہدہ پنہاں خود بخود ہونے لگتا ہے۔ ان حضرات کو عشقِ الہی کے شوق سے فراغت حاصل نہیں ہو سکتی کہ یہ دوسری جانب قدم رکھیں۔ عاشقوں کا ہمیشہ یہ کام ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے رہیں۔ عاجزی، انکساری، بیقراری اور آہ زاری اس کی بارگاہ میں پیش کرتے رہیں اور بغیر کسی واسطے کے اس سے سوال کریں اور طالبِ حق اس کی طلب کے سوا ہر سوال کو ترک کر دیتے ہیں۔ بعض ضروریات کے باوجود اس کی بارگاہ کی شانِ جلالت اور عزتِ ربانی کی بناء پر ہرگز سوال نہیں کرتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان عاشقوں کی ہمتیں اتنی بلند ہوتی ہیں کہ مصائب گویا مصائب نہیں رہتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی وجہ سے

اس کی رضا پر ہر معاملے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب عاشقوں کا معاملہ اس طرح ہوتا ہے تو ان کے مقابلہ پر اللہ کریم ان حضرات عاشقانِ بارگاہ کی امیدیں منقطع نہیں فرماتا۔

عزیز من! دنیا، آخرت، مولیٰ کریم یہ تین چیزیں آپ کے سامنے رکھی ہیں اور آپ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ان تین چیزوں میں سے اپنے لئے ایک چیز کو پسند کر سکتے ہیں اور ہر چیز کے اوصاف بیان ہو چکے ہیں۔ ہر شخص نے اپنی استعداد کے مطابق ایک چیز کو اپنے لئے بیان کر لیا ہے۔ اگر آپ کو دنیا حاصل کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دنیا کو طلب کرنا ہے تو یہ بات یاد رکھیں کہ دنیا کو روزِ اول ہی سے تقسیم کر دیا گیا ہے اور رزق کو بھی اللہ تعالیٰ نے تقسیم کر دیا ہے۔ لہذا مقدر سے زیادہ رزق حاصل نہیں ہو سکے گا اور نہ زیادہ کسب کرنے سے رزق حاصل ہوگا اور نہ ہی زیادہ تدبیریں سوچنے سے رزق میں اضافہ ہوگا۔ انتہائی لالچ کرنے سے بھی رزق میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔ زاہدوں کو زہد سے، عابدوں کو عبادت سے اور عارفوں کو معرفت کی وجہ سے رزق زیادہ نہیں ملے گا اور نہ ہی جاہلوں کی جہالت سے اس میں کمی بیشی ہوگی۔

اگر آپ نے اللہ سے آخرت کو چاہا ہے تو عقبیٰ کی بہتری اسی قدر حاصل ہوگی جس قدر اعمال نیک ہوں گے اور اعمال کے نیک ہونے کے لئے توفیق کی ضرورت ہے۔ جب آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اے اللہ! میری آخرت کو بہتر کر دے تو آپ کو نیک اعمال کرنے کی توفیق حاصل ہوتی جائے گی۔ جس قدر دُعا کر لیں، اللہ تعالیٰ کو دُعا کے نتائج

بہتر ثابت ہوں گے۔ اعمال خیر کرنے کی غاقت زیادہ حاصل ہوگی اور نیک اعمال آخرت میں کامیابی کی طرف لے جائیں گے اور جنت کے درجات، جنت کی نعمتیں اور تمام طرح کی جنت کی اچھائی نیک اعمال کی زیادتی اور کثرت عبادت پر منحصر ہے۔ جب تک آپ کو ثواب کی طلب رہے گی اور نیک اعمال کرتے رہو گے ذاتِ الہی سے قرب حاصل ہونے میں جو حجابات ہیں وہ دور نہیں ہوں گے اور مال سے محرومی رہے گی۔ معرفتوں کی لذتوں کے حاصل ہونے اور دربارِ الہی کے حاضر ہونے اور کبیر الاکبر سے عشق کو حاصل کرنے سے پوری طرح محروم رہو گے۔

لہذا اگر آپ کا ارادہ ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت کرنے کا ہے تو اللہ جل شانہ کی بارگاہ سے اپنی نظروں کو کسی دوسری طرف ہرگز نہ پھیرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالت خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی محبت کے بعد کسی دوسری طرف نگاہ نہ کی جائے۔ اس کا وصل طلب کرو اور اسی کے قریب ہو جاؤ۔ تمہاری آنکھیں ظاہری عام چیزوں کو دیکھنے سے بند ہو جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے مدد حاصل ہو سکے اور دل کی آنکھیں کھل سکیں اور آنکھیں ان چیزوں کا مشاہدہ کریں جن کے ساتھ آپ کا دل پوری طرح مسرت حاصل کر لے اور جب غیر اللہ تجھ سے غائب ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تمہیں نظر آنے لگے گا۔ تمہارا دل اس قدر وسیع ہو جائے گا کہ تجلیات کی لذتیں اس میں سما جائیں گی اور تمہیں تمام کائنات پر فخر حاصل ہو جائے گا کہ تم نے کُل کو ترک کر کے ایک مالکِ کُل سے محبت کر لی۔ محبت کے اور اور کائنات سے محبت حاصل ہو جائے گی تو قبولیت

کی مسند پر جلوہ گری فرما کر تمہیں تاج ولایت سے سرفراز فرمایا جائے گا اور مردِ عارف تمام نظام سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا۔ اگر تجھ سے کوئی سوال کرے تو تیری زبان اہل محبت و عشق کی ہو گی۔ انفرادی شان کے ساتھ اس کے ساتھ منسلک ہو کر جواب دے گا اور محبت ہی کی زبان سے جواب دے گا اور راہِ محبت کی تمام دشواریاں خود آسان ہوتی جائیں گی۔

اس مقام کو حاصل کر لینے کے بعد سالک پر اس طرح کے حالات و واقعات اور مقامات طاری ہوں گے کہ وہ اپنی زبان سے ہرگز اس مقام کے اوصاف بیان نہیں کر سکے گا۔ لیکن وہ خود اپنے اوصاف بیان کرے گا اور ٹوٹے گا۔

اس طرح یہ تین گروہ بن گئے طالبِ دنیا، طالبِ آخرت اور طالبِ اللہ۔ ان تین طرح کے لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے!

”یعنی پھر ہم نے وارث کر دیا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں میں سے، ان میں ایک گروہ درمیانہ روئی اختیار کرنے والوں کا ہے اور ایک گروہ اعلیٰ مقام اور بھلائی کو حاصل کرنے والوں کا ہے جو آگے ہیں اللہ کے حکم سے اور یہ تو اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔“

اس آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اولادِ آدم میں بعض لوگ وہ ہیں جو میری طرف دنیا کے لئے آتے ہیں اور دنیا کو طلب کرتے ہیں اور بعض

لوگ میری طرف دونوں جہان طلب کرتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو میری طرف آتے ہی نہیں نہ دُنیا مانگتے ہیں اور نہ دین و آخرت مانگتے ہیں اور بعض صرف آخرت و جنت کو مانگتے ہیں اور ایک جماعت کو تم دیکھو گے جو توحید و اسلام پر عقیدہ میں مستحکم ہوگی اور دل میں نیک اعمال کرنے کے لئے بے چین رہتے ہوں گے لیکن عملی زندگی میں یہ لوگ گناہ اور نافرمانی کرتے ہوں گے اور دُنیا کی تمام زندگی یہ لوگ غفلت و جہالت میں گزار دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت کا صحیح مقام حاصل کرنے میں سخت خطرہ ہے لیکن مہربان حقیقی ان پر اپنا کرم فرمائے اور یہ توبہ کر لیں تو اس کی رحمت سے دور نہیں کہ مقبول بارگاہ ہو جائیں۔ ایک گروہ مومنوں کا دین پر مستحکم و مضبوط چلا جا رہا ہے۔ عبدیت میں یہ لوگ سچے ہیں اور اپنے دلوں میں معرفت کی تڑپ رکھتے ہیں اور دُنیا کی تمام زندگی عزت و احترام کے ساتھ گزارتے ہیں اور اپنی زندگی کا بلند و بزرگ مقام اس وقت تک قائم رکھتے ہیں کہ جب حساب کا دن ہو ان کو بخشش حاصل ہو اور وہ آخرت کی نعمتوں کو پالیں اور اپنے بہتر انجام کو پہنچ جائیں۔ ان میں ایک گروہ محبتِ الہی عشقِ ربانی حاصل کرنے پر اپنے دلوں کو لگا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے دل نورِ محبت سے پوری طرح روشن و نورانی ہوتے ہیں اور ہر وقت اسرارِ اَزلی اور انعاماتِ اَبَدی اور حضورِی بارگاہ کے منتظر رہتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بسر ہوتی ہے اور یہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی بارگاہ سے غیر حاضر نہیں ہوتے۔

ان حضرات کو مقامِ مشاہدہ اور دولتِ دیدار کا فیضان حاصل ہو جاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ ایک گروہ نے

اللہ تعالیٰ کو دُنیا کے لئے کافی خیال کر لیا ہے جبکہ دوسرے گروہ نے اللہ جل شانہ کو آخرت کے لئے خاص کر لیا ہے۔ ایک گروہ نے دُنیا کو ذہن سے نکال دیا اور آخرت کو دیکھنے سے پردہ کر لیا اور خالص اللہ کے ہو گئے اور جس شخص نے اللہ کو کافی جان کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا اور وہ خالص اللہ کا ہو گیا اور اس سے محبت کرنے لگا اور اس کا قرب چاہا، دُنیا و آخرت دونوں جہاں خود ہی ان کی غلامی میں آ جائیں گے۔ اس مضمون کی جانب حدیث پاک میں ارشاد ملتا ہے کہ اللہ کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے داؤد یاد رکھو! جو ہم کو اپنے لئے کافی جانتا ہے اور ہمارا بن جاتا ہے ہم بھی اس کو اپنا بنا لیتے ہیں اور اس کو کافی ہو جاتے ہیں اور جو شخص یہ جانتا ہے سب چیزیں ہمارے پاس ہیں اور ہم تمام کائنات کے مالک ہیں اور جو شخص ہم پر بھروسہ نہیں کرتا ہم بھی اس کے نہیں ہوتے اور ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم خواہ مخواہ اس کے بن جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ارشاد فرماتا ہے! ”کیا اللہ تعالیٰ تجھے خود کافی نہیں، بیشک وہ ہر چیز کا خود گواہ ہے یعنی اے محمد ﷺ تیرا رب تیرے لئے کافی ہے۔“

اس سلسلے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے

کفانی ان فی عیب ضعیف

لغفار دُستارِ لطیف

”میرے لئے تو میرا ضعیف ہونا کافی ہے۔ اس لئے کہ

اللہ تعالیٰ عیبوں کے چھاننے اور گناہوں کے معاف کرنے

marfat.com

میں اپنے کریم ہونے کا اظہار فرماتا ہے۔“

وَلَيْسَ الْفَخْرُ لِي سَفَهَا وَعَارًا

اِذَا كَانَ اِفْتِخَارِي اللَّطِيفِ

”اور میرا حق نہیں کہ میں فخر کروں کہ اس لئے کہ میرے

اندر کم عقلی اور گناہ پر شرمندگی ہے۔ ہاں فخر یہ ہے کہ میں

بندہ اللہ والا ہو جاؤں۔“

وَلَا رِضٌ سِوَا الْمَحْبُوبِ سَوْلِي

وَلَا شَيْءٌ سِوَا وَجْهِ اللَّطِيفِ

”اور جس زمین میں محبوب نہ ملے وہ بُری زمین ہے۔ اس

لئے کہ کائنات میں حسین چہرہ کی محبت کے سوا کچھ نہیں اور

اللہ سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں۔“

وَلَا شَيْءٌ مِنَ الْاَشْيَاءِ اَجْلِي

وَلَا اَطِيبٌ مِنَ الْاِنْسِ لَطِيفِ

”اور جس قدر چیزیں حسین ہیں ان میں محبت سے بڑھ کر

نہ کوئی چیز حسین ہے اور نہ زیادہ پاکیزہ ہے۔“

اللہ والوں باتوں کو اچھی طرح سمجھو جس کو میں نے تمہارے سامنے

تفصیل سے بیان کیا ہے کہ نوع انسانی کی ہمتیں الگ الگ مدارج کی حامل

ہوتی ہیں۔ کسی چیز کی قدر و قیمت اس کی بلندی و صف پر مقرر ہوا کرتی ہے۔

اس بات پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا عوض رکھا ہے لیکن محبت الہی کا

کوئی عوض نہیں تاکہ وہ قسم میں سے کسی اور عوض سے کم اور بصورت عوض محبت

اس کو ادا کیا جائے۔ تمام کائنات کا حاصل اس کے سوا کوئی نہیں اور جس نے اس کو حاصل نہ کیا اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی موجود ہے کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب سے فرمایا آپ یہ کہہ دیں کہ اللہ کہہ دینے کے بعد ہر چیز سے دستبردار ہو جاؤ۔

اگر تم اس کلام کو سمجھو گے تو ہمارے بیان سے واقف ہو گے تو بہتر ورنہ ہم اپنا مقصد اور زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ تم معرفت کے ان حقائق سے پوری طرح واقف ہو جاؤ۔ اس کی زبان زیادہ آسان ہے اور عبارت بھی زیادہ اعلیٰ اور آسان کر دی ہے۔ پہلی عبارت کے مقابلے میں تاکہ تم تھوڑی سی غور و فکر سے اللہ کے حکم سے پوری طرح حقیقت سے واقف ہو جاؤ۔

حضرت جنید آگے مزید فرماتے ہیں!

اللہ والو! یاد رکھو اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جو اپنی تمام خواہشات روحانی و نفسانی دُنیا سے اٹھا لیتے ہیں اور پھر آخرت کی خواہشات کو بھی ترک کر دیتے ہیں اور خالص اللہ کریم کے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی ان پر آتا ہے کہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کس نے کس چیز کو ترک کر دیا ہے۔ وہ دونوں جہانوں سے بے خبر ہو کر اپنے حبیب اور حقیقی دوست کے ساتھ اس طرح ہو جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی مسرت، روح کی خوشی اور بدن کی نفاست اسی میں ہوتی ہے اور وہ ابدالابد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں اور دُنیا و آخرت کی طرف ان کی نظر لوٹ کر نہیں

اس بات کو خوب یاد رکھو کہ تمام کائنات سے دل کو فارغ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دل کو تمام جہاں کے ارادوں سے ہٹا لو اور ہر ارادہ جس کا تعلق کونین کی کسی چیز سے وابستہ ہو اس ارادہ کو چھوڑ دو۔ جو چیز دونوں جہان کی لذت و راحت دینے والی ہے اس کی لذت حاصل نہ کرو اور اپنے ارادے میں صرف اللہ جل شانہ کو پختہ کر لو اور اس کو کافی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو دنیا کے معاملات میں مشغول نہ کیا جائے۔ اسی طرح آخرت کی باتوں میں بھی مشغول ہونا چھوڑ دو اور جو دنیا کے ساتھ پوری طرح مشغول ہو جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور آخرت کا تعلق مٹ جاتا ہے جبکہ جو آخرت میں مشغول ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیتا ہے۔ جو دنیا اور عقبی کو چھوڑ کر اللہ کا ہو جاتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مل جاتا ہے اور جس کو اللہ مل جاتا ہے دنیا اور آخرت کے دونوں جہاں اس کے خادم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ!

”جو شخص آخرت کی کھیتی بنانا چاہتا ہے ہم اس کے لئے زیادتی کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیا کا نفع چاہتا ہے ہم اس کو دنیا دیتے ہیں اور جو دنیا کے طلبگار ہیں ان کو آخرت کا بہتر مقام نہیں ملے گا۔“

اسی طرح حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ!

”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور دنیا کو اس کے سامنے رکھا اور جو کچھ دنیا میں پیدا فرمایا تمام چیزیں ان کو دکھا دیں تو ایک ہزار انسانوں میں سے نو سو ننانوے (۹۹۹) نے دنیا کو پسند کر لیا اور ایک ہی شخص نے صرف ایک

نے دُنیا کو پسند نہ کیا۔ اَب جس قدر انسانوں نے دُنیا کو پسند نہیں کیا تھا جنت ان کے سامنے رکھ دی اور جنت کی تمام نعمتیں انہیں دکھا دیں۔ یہ تمام لوگ جنت کی طرف دوڑ کر چلے گئے لیکن ہر ایک ہزار کی نفری سے ایک ایسا شخص تھا جو جنت کی طرف نہ گیا اور اپنے مقام پر کھڑا رہا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دی گئی کہ اے جماعت جب تم نے دُنیا و آخرت کو قبول نہیں کیا تو تم کیا چاہتے ہو۔ اس جماعت نے عرض کی کہ اے ہمارے آقا و مولیٰ تو خوب جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے چاہتے ہو لیکن یاد رکھو تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم پر عظیم مصیبتیں اور بلائیں اُتریں گی۔ اس طرح کی آفات و بلیات کے اگر آسمان و زمین پر ڈالی جائیں تو آسمان و زمین اُٹھانے سے عاجز ہو جائیں اور اگر اس طرح کے امتحان میں صبر کرو گے تو پھر مجھے اپنے لئے کافی جان لو گے اور میں تمہیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور اپنی تجلیات نازل فرما کر تمہیں لذت دوں گا اور تم سے حجابات دُور کر دوں گا اور تمہاری نگاہوں کو چشم بصیرت ملے گی یہاں تک کہ میری عظمت و جلال کو پوری طرح دیکھ سکو گے۔ یہ سن کر عارفوں کی جماعت نے عرض کیا کہ اے ہمارے اللہ تو جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے ہمارے ساتھ کر لے اور تو زیادہ حق دار ہے کہ ہم پر جو چاہے اس بات کو آزما لے۔“

اسی طرح کی ایک اور روایت جناب حضرت علیؓ سے بیان کی گئی

ہے کہ!

”ایک دن جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ کس بناء پر ہم سب سے زیادہ آگے آگے اور حضور ﷺ کے خلیفہ بن گئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم پر سبقت حاصل ہوئی۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ جب ہم نے اسلام کو قبول کر لیا تو ہم نے دیکھا کہ دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں جن میں بہت سے آدمی آخرت کے طلبگار ہیں اور بہت سے دُنیا کے طلبگار ہیں تو لہذا میں نے اللہ تعالیٰ کی طلب اختیار کی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب سے ہم نے اسلام کو قبول کر لیا ہے ہم نے دُنیا کی کوئی لذت حاصل نہیں کی۔ ہمیں جس قدر لذت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کے ذکر میں حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے دین کی خدمت میں اور معرفت سے مسرت اسی طرح حاصل ہوتی رہی کہ دُنیا میں مشغول ہی نہ ہو سکے اور نہ ہی دُنیا کی لذت کو حاصل کیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ جب سے میں نے اسلام کو قبول کیا ہے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور نہ سیراب ہو کر کچھ پیا اور معرفت کے ضائع ہو جانے سے ڈرتے رہتے تھے اور دُنیا کو چھوڑ کر چلے جانے تک اسی مقام پر قائم رہیں گے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جب دو باتیں میرے سامنے پیش ہو جاتیں ایک بات میں میرا ذاتی فائدہ اور رضا ہوتی اور دوسری بات میں اللہ کی رضا ثابت ہوتی۔ میں اس بات کو چھوڑ کر دوسری بات کی رضا پائی جاتی۔

پانچویں بات یہ ہے کہ میں نے حضور اکرم نبی معظم ﷺ کی صحبت کو نہایت اچھے طریقے سے نبھا ہا ہے اور حضور ﷺ کی نبوت، عزت و حرمت کو اس قدر برقرار رکھا یہاں تک کہ حضور ﷺ نے وفات پائی۔“

یہ واقعہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ رونا لگے اور فرمایا!

”ابوبکرؓ یہ بات آپ کو مبارک ہو پھر مبارک ہو۔“

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا تو ایک بدوی کو دیکھا کہ مسجد کے گوشہ میں سر کو سجدہ میں رکھے ہوئے ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ رو رو کر یہ دُعا مانگ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے میرے اللہ میں تجھے حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ پس تو مجھے اپنی جانب راہ دکھا دے اور دونوں جہان کو چھوڑ کر تیری طرف آتا ہوں تو مجھے قبول فرمائے اور جو جو امیدیں میں نے تجھ سے وابستہ کر رکھی ہیں ان میں تو کامیاب کر دے اور مجھے نا امید نہ کر اور بار بار کہتا تھا کہ جو امیدیں تیرے ساتھ ہیں اے مولا تو ان کو پورا فرمادے۔

حضرت علیؓ اس بدوی کی دُعا سن کر رونے لگے اور بہت زیادہ روئے اور فرمایا کہ لوگوں کی ہمتیں کس قدر مختلف ہیں۔ ایک کی خواہش صرف اپنی خواہش نفس کو پورا کرنا ہے اور دوسرے کی خواہش اللہ کو پالینا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک قرآن خواں کو سنا جو یہ آیت تلاوت کر رہا تھا۔

”منکم من یرید الدنیا و منکم من یرید الاخرة“

ترجمہ: ”کہ تمہیں دو لوگ ہیں، ایک دنیا کا ارادہ رکھتے

ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

حضرت بایزیدؒ رونے لگے اور فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے اپنے بندوں کی شکایت ہے کہ تم نے دنیا اور آخرت کو طلب کر لیا ہے اور تمہیں چاہئے تھا کہ مجھ پر راضی ہو جاتے اور جو میں عطا کرتا وہ لے لیتے اور میں تمہارے قریب ہو جاتا اور میں تمہاری آنکھوں کی روشنی ہو جاتا اور میں تمہارے کانوں کی سماعت ہوتا اور میں ہی تمہاری حرکات ہوتا۔

ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ اے میرے بیٹے تم اللہ کی بارگاہ میں بیٹھو اور اسی سے محبت کرو اور اپنے مولا کو یاد کیا کرو اور اس کی خدمت اختیار کرو اور دنیا کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ دنیا کو طلب کرنا باعثِ شرمندگی ہے اور آخرت خود تمہاری تابع فرمان ہے۔ اے پیارے بیٹے جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کو کافی ہوتا ہے اور اللہ پھر یہ بھی پسند نہیں فرماتا کہ اس کا بندہ غیر کا محتاج ہو کر رہے۔ اے پیارے بیٹے یاد رکھو کہ جو اللہ کا ہو کر کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا چاہے وہ چیز اس سے دور ہو جائے گی اور اللہ کے سوا ہر چیز سے وحشت ہو جاتی ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو اللہ کا عارف ہو جاتا ہے، حق و معرفت کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کا دنیا و آخرت سے کوئی شغل نہیں رہتا اور دنیا و آخرت تو مولا کی ملک ہیں اور انسان کامل مولا کا ہوگا۔ عارف کامل دونوں جہان سے نابینا ہوگا۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے پر القا فرمایا!

”اے میرے بندے! اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے“

اپنی عبادت کی توفیق دی اور بغیر کسی سفارش کے اپنی رحمتوں کو تیری طرف نازل کیا اور اب تجھ کو حکم دیا کہ میرے ذکر میں مشغول ہو جا اور کسی عوض کے حاصل کرنے کی درخواست نہ کر۔“

اس پر ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کم ترین درجہ عارف کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ پانی پر خشکی کی طرح چلے اور ہوا پر سوار ہو کر جہاں چاہے جائے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دونوں جہاں سے گزر جائے۔ عارف کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ جس طرح موٹی رکھے اس پر صبر کرے اور کونین میں رہ کر حق کے ساتھ اس طرح ہو جائے جس طرح عالم دنیا میں آنے سے پہلے ازل میں تھا۔

حضرت ابن ابی سلمہؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ دنیا کی خاطر روتے ہیں۔ ہمیں تو اس بات میں بھی شرم آتی ہے کہ آخرت کے لئے آنسو بہائیں۔

ابو سلیمان درانیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے خداوند کریم نے مناسب نہیں جانا کہ دنیا کو حاصل کریں اور ہمیں اس بات سے الگ رکھا کہ دنیا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو مالدار بنائیں اور بغیر کسی حساب کے ان نعمتوں کو لینا عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ ہمیں یہ بھی حق نہیں دیا گیا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی معرفت سے ہٹ کر دوسری طرف نظر کریں۔

یہ ارشاد عارفہ جناب رابعہ بصریہؒ نے سنا تو فرمایا کہ یہ ذرست کہا ہے

کہ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں کہ اللہ کی آخرت کا طوفان لگا

اٹھا کر دیکھ لیں کہ جنت میں کیا رکھا ہے اور یہ لمحہ اللہ کی طرف سے ہم غافل ہو کر آخرت میں مشغول ہو جائیں اور جناب عارفہ رابعہؓ نے کہا وہ شخص عارف نہیں ہے جو جنت اور اس کے اندر پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھنے میں مشغول ہو جائے۔

شیخ المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ہم بیت اللہ (مسجد حرام) میں تھے کہ ایک نوجوان آیا جس کی چادر پھٹی ہوئی تھی اور چہرہ پر سخت بھوک اور صبر کی علامات نظر آتی تھیں۔ مجھے اس کی یہ حالت دیکھ کر بڑا ترس آیا۔ میں نے تھیلی نکالی جس میں ایک سو دینار رکھے ہوئے تھے۔ میں نے یہ تھیلی اس نوجوان کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ اے دوست یہ رقم وصول کر لے تاکہ یہاں تم کو اخراجات میں پریشانی نہ ہو لیکن اس نوجوان نے میری بات پر کوئی توجہ نہ کی تو میں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اس کی منت کی اس نے میری طرف توجہ کی اور کہا کہ اے پیر طریقت یہ حالات ہیں جو عارف پر وارد ہوتے ہیں۔ ہم جنت کے سوداگر نہیں ہیں اور نہ جنت کے خریدار ہیں۔ یہ مقام تو دارالجلال اور محل بقا ہے، جاء قرار ہے۔ یہاں بیٹھ کر کس طرح ذلیل اور رذیٰی سی چیز کے عوض اپنی حالت کو ترک کر دیں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمیں تعجب ہے کہ اللہ جل شانہ کی مخلوق جنت کی ذہنوں میں قدر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل معرفت حاصل نہیں کرتے۔ معرفت جنت کا نام نہیں بلکہ معرفت اللہ تعالیٰ کے ولی (دوست) بن جانے کا نام ہے۔

ایک حکایت بیان ہے جہاں گیا کہ اس میت

پر نماز جنازہ ادا کریں۔ مردِ عارف نے کہا بہتر..... اور پھر امام ہو کر جنازہ پڑھانے لگے تو آپ نے بجائے چار تکبیروں کے پانچ تکبیریں پڑھائیں۔ لوگوں کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے ہم نے پانچ تکبیریں پڑھی ہیں۔ چار تکبیریں تو جنازہ کے لئے تھیں اور ایک تکبیر دونوں جہاں پر پڑھی ہے۔ یعنی دونوں جہاں سے تعلق ختم کر دیا۔

ابوسلیمان درانی فرماتے ہیں کہ خبردار اللہ کی طرف دیکھنے والے کسی دوسرے کو نہیں دیکھتے۔ لوگوں کو اس لئے پیدا فرمایا گیا تھا کہ اپنے آپ کو برگزیدہ کر لیں لیکن اکثر لوگ تو غافل اور اپنے جوہرِ باطن سے بے خبر ہیں۔ دونوں جہانوں میں جو حصہ ان کو ملتا تھا اس کے حاصل کرنے میں اس طرح مشغول ہو گئے ہیں کہ ذاتِ الہی سے حجاب میں آ گئے۔

بعض عارفوں کے وعظوں میں اس طرح کے کلمات کہے گئے کہ اے دُنیا کے طلبگارو دُنیا کو چھوڑ دو، دُنیا تمہیں خود طلب کرے گی اور آخرت کے طلبگارو آخرت کی طلب چھوڑ دو آخرت تمہیں خود طلب کرے گی اور یہ آیت مبارک پڑھی!

”اولم یکف بربک انه علی کل شئی شہید ط“

ترجمہ: ”اے پیارے حبیب کیا تجھے تیرا رب کافی نہیں؟ (یعنی

پروردگار کافی ہے) اور وہ ہر چیز کا گواہ ہے۔“

الہنی کنت فی الیلوی

ولا شکوی من الیلوی

ترجمہ: ”میرے اللہ! میں صیبت پر

کوئی شکوہ نہیں کرتا۔“

مرادی منک ماتعلیم

ملا من و سلوی

”میری مراد تو خود ہے اور تو جانتا ہے کہ من و سلوی کے

لذیذ کھانوں سے اُمید نہیں رکھتا۔“

فان اعطیتنی الدنیا

و ان اعطیتنی العقبی

”اور اگر تو مجھے دُنیا دے یا تو آخرت دے۔“

فلا ارض من الدارین

الا برؤیة المولی

”میں تو دونوں جہاں کے حاصل ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا

جب تک اللہ کریم تو نظر نہ آئے۔“

ترکت الناس دینہم و دنیا ہم

شغل بحبک یادینی و دنیائی

”میں نے تو تمام انسانوں کو اور دین و دُنیا کو چھوڑ کر خالص

تیری محبت کو اختیار کر لیا ہے۔ تو ہی میرا دین ہے اور تو ہی

میری دُنیا ہے۔“

ابوالقاسم حضرت جنید قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ

والو سنو! اللہ سبحانہ اپنے دوستوں کے تمام پوشیدہ اسرار کو جانتا ہے اور تمام

عارفوں کو اپنے ہاں مستعد اور آمادہ کرتا ہے اور جب کسی بندہ کو اپنی ذات

کے لئے پسند فرما کر خاص کر لیتا ہے تو محبت کے مرتبہ کے مطابق اپنے محبوبوں پر غیرت کرتا ہے اور اللہ کے نزدیک غیرت کا اہم ترین مقام ہے کہ عزت دوست کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ شیطان کا دوست ذلیل ہے اور رحمن کا دوست عزت والا ہے اور یہ محبت کا اصول ہے کہ اگر محبت کو کسی دن محبوب کے دل کی کیفیت پر اطلاع ہو جائے تو وہ ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی محبوب کے دل سے جدا ہو جائے اور اگر محبت کو اس بات پر خبر ہو جائے کہ یہ محبوب کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے یا کرنے لگ گیا ہے تو یہ بات ایک بڑی مصیبت ہو جاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے قریب ہونے کے لئے اپنا قدم اٹھالے تو اپنے اٹھے ہوئے قدم کی لاج رکھے اس لئے کہ یہ قدم جس کی طرف اٹھایا ہے وہ بلند شان والا جاہ و جلال کا مالک ہے لہذا اب اس قدم محبت کو گرنے نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ محبوب مکرم محمد ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے کہ

لا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجاً

”اے میرے رسول! جن کو میں نے طرح طرح کے مال و اسباب دیئے ہیں آپ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں حضور ﷺ پر یہ احسان فرما کر حکم دیا کہ ہماری غیرت اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ کسی دوسری جانب اپنی نظر فرما کر کسی کو اپنی نظروں سے دیکھیں۔ لہذا غیر کو دیکھنے سے آنحضرت ﷺ کو آنکھیں بند رکھنے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے مقام پر حضور ﷺ کو مخاطب فرما کر

ارشاد فرمایا!

ولولا ان ثبتك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلا
 ”اگر ہم آپ کی حفاظت فرما کر آپ کو مضبوط نہ رکھتے تو
 ممکن تھا کہ آپ کچھ تھوڑے سے ان کی طرف جھک جاتے
 لیکن اس طرح نہ ہو سکا۔“

یعنی آپ کو ہم نے خود کسی جانب نگاہ نہیں کرنے دی اور اگر ہم
 خالص حفاظت نہ کرتے تو آپ کا میلان شاید ادھر ہو جاتا۔ یہ فرما کر اللہ
 تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کی تعریف فرمائی کہ آپ کی ذات مبارک
 نے کبھی غیر کی جانب التفات نہیں کیا اور قرب الہی کے تمام آداب کو پورا
 فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اپنی نظر کو اللہ کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے
 اور قرآن کریم میں یوں ارشاد فرمایا ہے مازاغ البصر وما طغى ”میرے
 محبوب کی آنکھوں نے نہ غیر کو دیکھا اور نہ ہی کبھی نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں سرکشی
 پیدا ہوئی“ اور جب حضور اکرم نور مجسم ﷺ نے کسی غیر کی جانب نگاہ نہیں
 فرمائی تو ارشاد نازل ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہماری بارگاہ
 میں آئے تو ہم نے اپنے اور تمہارے درمیان جس قدر حجاب تھے تمام ہٹا
 دیئے تاکہ دیدار کامل ہو اور بلا کیف آپ میری جانب دیکھ سکیں۔ اس کشف
 حجاب کی کیفیت سے قرآن حکیم نے اطلاع فرمائی!

ما كذب الفواد مارى ولقد راه نزلة اخرى

”ہمارے محبوب کی آنکھوں نے اللہ کریم کو اس طرح دیکھا

کہ دل کو کلام اللہ فرماتے ہوئے

آسمانوں سے دیکھا تو حجاب نہ تھا۔“

ایک عارف کو میں نے سنا کہ وہ قرأت کی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ قاری نے قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ کو تلاوت کیا رُبَّ اَرْسِي النَّظْرِ الْبَيْكُ ”جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں اپنا دیدار نصیب کر دے۔“ جواب ملا سن تر انسی ”تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔“ مرد عارف نے کہا کہ کاش حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال انتہاءِ دل سے نکلتا اور کمال شوق و اضطراب کے ساتھ ہوتا اور بار بار رُبَّ اَرْسِي كَيْفَ جَاتِي هِيَ۔ یہاں تک کہ پہاڑ پر تجلیات کا نزول ہوتا رہتا اور آپ بار بار بیہوش ہو جاتے اور ایک ہزار بار اسی طرح بیہوش ہوتے اور سوال کرتے جاتے اور سوال کرنے سے نہ رکتے اور نہ ہی تَبُّثُ الْاَلَانِ..... ”میری توبہ ہے“ کہتے اور نگاہ پہاڑ پر نہ جا کر گرتی کیونکہ پہاڑ غیر اللہ تھا لیکن نگاہ پہاڑ پر جا گری تو دیکھا پہاڑ جل رہا تھا۔ آپ اسی لئے دیدارِ الہی سے محروم رہ گئے اور غیر کی طرف نظر التفات جا پڑی تھی جو دیدارِ الہی کے لئے مانع ہو گئی اور اگر عشقِ حقیقی کی تڑپ کے ساتھ جناب موسیٰ دُعا فرماتے تو تمام حجاب دور ہو جاتے اور سن تر انسی کی آواز نہ سنتے۔ التفاتِ دوستی بلکہ زیارتِ نصیب ہو جاتی۔ تو دیدارِ الہی سے محرومی کی اصل وجہ غیر اللہ کی طرف دوستی کرنا تھا۔ دوستی و محبت کے اصول کے خلاف غیر اللہ کی طرف التفات کا واقع ہوتا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے پاس دُنیا کے خزانوں کی چابیاں تھیں وہ میرے سامنے پیش فرمائیں لیکن میں نے نہ تو خزانوں کا خیال کیا

اور نہ ہی چابیوں کو ہاتھ لگایا اور اللہ کریم کی جلالت و ہیبت مجھ پر چھا گئی۔ ایک حکایت ہے کہ جناب حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طلبِ صدق میں تیس برس تک محنت کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ ایک دن میں پہاڑوں کے درمیان یوں ہی گشت کر رہا تھا کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا جو ایک بلند پتھر پر کھڑا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور اس کا دامن پکڑ کر رونے لگا۔ اس بزرگ نے میری طرف نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا اے سری سقطی میرا دامن چھوڑ دے میرا دوست سخت غیرت کرنے والا ہے اگر اس نے دیکھ لیا کہ میں اس کے سوا کسی دوسرے کو دوست رکھتا ہوں تو وہ اپنی نظروں سے مجھے گرا دے گا۔

ایک اور حکایت ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دفعہ میں سفر میں تھا کہ میں نے ایک پہاڑ پر لا تعداد لوگوں کو دیکھا کہ جمع ہو رہے ہیں اور بعض انتظار میں کھڑے ہیں تو میں نے کہا کہ آپ لوگ یہاں کس لئے جمع ہو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا اس پہاڑ کی ایک طویل غار ہے اور اس غار میں ایک بزرگ حضور ﷺ کے ماننے والے عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور ایک سال کے بعد اس غار سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ حاضرین کے لئے دُعا فرما کر دوبارہ اس غار میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ ان کا دیدار حاصل کروں۔ انتظار کرنے والوں کے ساتھ میں بھی بزرگ کی زیارت کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعتوں کے بعد ٹاٹ کے کپڑے پہنے ایک بزرگ غار سے باہر تشریف لائے۔ ان کا چہرہ مبارک نورِ معرفت سے چمک رہا تھا۔ میں بھی حضرت کے

قریب ہو گیا اور آپ کا دامن پکڑ لیا۔ پھر عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے نیک بندے اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اپنے متعلق تعارف کروادیں۔ آپ نے میرے سوال پر صرف اس قدر فرمایا کہ بھائی میرے کپڑے کو چھوڑ دو میرا دوست بڑا غیرت کرنے والا ہے۔ یہ فرما کر اپنا دامن مجھ سے چھڑا لیا تو میں شوق دیدار میں آپ کو دیکھتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے وہ جس غار سے تشریف لائے تھے اسی میں غائب ہو گئے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ تیس سال تک مسلسل جنت مجھے دکھائی جاتی رہی اور جنت کی اندرونی نعمتوں کو دکھایا جاتا تھا لیکن میں نے کبھی ایک لمحہ بھی جنت کا تصور نہیں کیا صرف اس خیال سے کہ اللہ کریم کی جلالت کہیں اس بات کو پسند نہ کرے لیکن ایک دن جنت کی خور کی طرف تعجب سے نگاہ اٹھ گئی۔ یہ نگاہ اس قدر سخت واقع ہوئی کہ دس دن تک اللہ کریم کے لقاء اور نظارہ تجلیات سے محروم ہو گیا۔

ایک عارف کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے سوال کیا گیا، آج کی صبح کس طرح ہوئی۔ عرض کیا آج کی صبح یہ واقعہ ہوا کہ تمام کونین کو میرے لئے حاضر کیا گیا اور ساتھ ہی یہ حکم نافذ کیا گیا کہ خبردار دونوں جہاں کی طرف نگاہ نہ کرنا۔

حکایت ہے کہ ایک بزرگ تھے جو کبھی دائیں بائیں نہیں دیکھا کرتے تھے اور نہ ہی کسی کو نظر بھر کر دیکھتے تھے۔ ایک دن ان سے کہا گیا کہ آپ نے کبھی ادھر ادھر نہیں دیکھا کیا وجہ ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ایک پیالہ محبت کا جس کو پلا دیا گیا ہو وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ دائیں بائیں دیکھا کرے۔

یہاں تک کہ میں نے ایک دفعہ طواف کعبہ کرتے ہوئے ایک شخص کی آواز سنی جو مجھے نام لے کر پکار رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھنے کا ارادہ کیا کہ آواز آئی جو شخص مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کو دیکھے گا وہ ہم سے نہیں ہوگا۔ یہ آواز سنتے ہی میں غش کھا کر گر پڑا۔

ایک عارف تھے جو کسی جنگل سے گزر رہے تھے تو آپ کی سواری ہلاک ہو گئی اور زادِ راہ بھی ختم ہو گیا۔ آپ کو ضروریاتِ سفر میں سخت پریشانی ہونے لگی۔ ایک کنواں دیکھا اور چاہا کہ ایک ڈھول نکال کر پانی پییں اور کچھ ساتھ لے جائیں لیکن جب کنوئیں میں دیکھا تو یہ دیناروں سے پُر تھا اور ایک غیبی آواز بھی ساتھ آ رہی تھی کہ جو ہمارے سوا کسی چیز پر خوش ہوتا ہے وہ ہمارا نہیں وہ دُنیا کا طالب ہے اور جو شخص دُنیا کا ارادہ کرتا ہے وہ میرے پاس نہ ٹھہرے۔ اس حالت میں تمام کنوئیں کے دینار اوپر آ کر قریب ہو گئے۔ میں گھبرایا اور بہت گھبرایا چند دینار میرے قریب آ کر گرے۔ میں نے اُن کو اٹھا لیا اور کنوئیں پھینک دیا اور دوبارہ آواز سنی جو اسی طریقہ پر آ رہی تھی۔ اے میرے دوست..... اے میرے دوست! میں نے عرض کی اے میری محبت کے مالک اور آنکھوں کی ٹھنڈک میرے اللہ میں نے تیری جناب مقدس سے تیری ذات کے سوا ہر ارادہ ترک کر دیا ہے اور میں تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں۔

حضرت فتح موصلیؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک بچہ کو اپنی گود میں لیا سینہ سے لگایا اور بوسہ دیا۔ آواز آئی کہ اے فتح! تو نے ہماری محبت کو آج کی تاریخ میں ختم کر دیا اور ہمیں غیر کی محبت کو جگہ

مل گئی ہے۔ حضرت فتح رحمۃ اللہ علیہ نے ایک زور کی آواز نکالی اور بیہوش ہو گئے۔

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا ایک دفعہ رباع بن قیس کے پاس تشریف لے گئیں ان کو دیکھا کہ آپ اپنے اہل خانہ کے ایک بچے سے پیار کرتے ہیں۔ جناب رابعہ نے فرمایا کیا آپ اس بچے سے پیار کرتے ہیں؟ عرض کی جی ہاں، مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو محبت کی نگاہ میں کبھی محبت نہیں کہا جائے گا جب تک کہ ایک مختصر سی جگہ آپ کے دل میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی محبت کے لئے ہوگی۔ یہ سن کر رباع بن قیس سخت گھبرائے یہاں تک کہ غش طاری ہو گیا۔ جب آپ کو سکون حاصل ہوا اور پسینہ صاف کرنے لگے اور فرماتے کے رابعہ کے ارشاد میں کتنی ہیبت تھی۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت علیؑ نے جناب حسنؑ اور حسینؑ کو دائیں بائیں زانو پر بٹھایا ہوا تھا اور ان کے چہروں کو دیکھ رہے تھے کہ سیدنا حسنؑ نے فرمایا اے والدِ مکرم میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہم سے نہایت محبت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بیٹے میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ عرض کی والدِ گرامی آپ کو اللہ کریم سے لاج نہیں آتی کہ جس وقت وہ آپ کے دل کی جانب نظر فرمائے تو آپ کے دل میں اپنی محبت کے سوا دوسروں کی محبت کو دیکھے۔ جناب سیدنا حسنؑ کی اس بات کو سن کر حضرت علیؑ نے رونا شروع کر دیا اور حسنؑ سے مخاطب ہو کر فرمایا بیٹے یہ تو بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے، آپ کی طرح پیاری اولاد اور میری طرح کامت کرنے والا ہو تو ہم کس طرح اس کی عرض کی والدِ گرامی یہ تو

نہایت دونوک بات ہے کہ محبت اللہ کے لئے ہے اور محبت صرف اللہ کا حق ہے لہذا محبت تو صرف اللہ کے ساتھ کریں اور شفقت اولاد کا حق ہے لہذا شفقت اولاد سے کریں۔ مخلوق شفقت کی مستحق ہے۔ اللہ کی محبت میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

ایک حکایت ہے کہ حضرت فتح موصلی فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے کی محبت میرے دل میں جگہ پکڑ گئی میں نے ایک دن اس کو اپنے بستر سے جدا کر دیا اور خود بھی جدا ہو کر رات بسر کرنے لگا لیکن نہ رات قرآن پڑھنے کی لذت حاصل ہوئی اور نہ وظائف کا لطف حاصل ہوا جس طرح کہ پہلے حاصل ہوا کرتا تھا۔ اب میں نے اللہ کی بارگاہ میں استغفار پڑھنا شروع کیا لیکن میرے ذہن میں نہیں آتا تھا کہ یہ بے ذوقی کس وجہ سے ہے۔ اسی فکر میں میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں ہاتھ غیبی کو دیکھا کہ وہ آواز دے کر کہتا ہے اے فتح یہ ہم نے کیا ہے اور جو ہم سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر میرے سوا کسی دوسرے کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اس کو محبت کا لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں نے عرض کیا اے میرے مولیٰ میں نے اپنے بیٹے سے محبت اس لئے کی ہے کہ میرے مرنے کے بعد وہ نیک عمل کر کے میری روحانی مدد کرتا رہے اور تیرا فرمانبردار ہو کر بندگی کرے۔ اگر واقعی میرا بیٹا میری منزل محبت میں رکاوٹ ہے تو اسی وقت اس کی روح کو قبض کر لے۔ خواب میں تو یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رونے کی آواز میرے کانوں میں پڑی میں نے آنکھ کھول کر دیکھا تو میرے بچہ کی والدہ رو رہی تھی میں نے کہا کیا ہوا تو اس نے کہا کہ ہمارا بیٹا چھ ماہ کی عمر کے لئے جانے لگا ہے اس لئے کہ اس نے اٹھ کر چلا

کہ اچانک کنوئیں میں گر گیا۔ جب باہر نکالا تو بچہ فوت ہو چکا تھا۔

یا جیسی القلوب مالی سواک

طال شوقی ربیئی یکون لفاک

یا انیسی ویما منتھی مرادی

کذب القلوب ان احب سواک

”اے دلوں کو دوستی کا مرکز بنانے والے میرے دل میں

تیرے سوا کسی کا مقام نہیں۔ میرا شوق زیادہ ہو رہا ہے۔

اب سوا تیری لقاء کے سکون نہیں۔ اے میرے محبوب میری

مراد تو ہی ہے اور تو ہی میری آخری منزل ہے اور اگر

میرے دل میں کسی دوسرے کی محبت ہو تو میرا دعویٰ غلط ہو

گا۔“

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں اے اللہ والو! خوب یاد رکھو

صاحبانِ ہمت عارفوں میں کم درجہ وہ عارف ہے جو ایک دفعہ اپنی زبان سے

”اللہ“ کہہ کر ہر طرف کو بھول جائے اور اللہ کے سوا کوئی چیز یاد نہ رکھے اور

عارف کی یہ حالت، اصحابِ کہف نے اللہ کہہ دینے کے بعد یوں اعلان کیا۔

فقالوا ربنا رب السموت والارض ط

”کہا انہوں نے ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور

زمینوں کا رب ہے۔“

جب اصحابِ کہف نے یہ اعلان کیا تو ان کے فکر و خیالات میں نہ

جنت کا تصور تھا اور نہ دوزخ کا خیال ہی نہ ان کے دل میں نہ آخرت کی تمنا، نہ

نفس و رُوح کا خیال تھا، نہ ہی عرش و کرسی اور لوح و قلم، نہ محور و غلغان بس ایک ذات ہی ان کا مقصود تھی اور وہ ذاتِ مقدس اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کسی چیز کی کوئی طلب ان کو نہ تھی۔ اسی محل پر اللہ کریم نے ان کا نام عارفِ جواں ہمت رکھا اور ارشاد فرمایا گیا!

فتیئۃ امنوا بر بہم وزدناہم ہدی ط

”(اصحابِ کہف) جواں ہمت مردانِ خدا تھے۔ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں انہیں زیادتی دی۔“

کس قدر مبارک ہے وہ انسان جس نے اپنے مولیٰ کو پہچان لیا اور مولیٰ کو پہچان لینے کے بعد کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کسی اور سے محبت کرے لہذا عارف نے محبت کی تو خدا سے، تقرب اختیار کیا تو خدا کے ساتھ اور عبادت کی تو خدا کی۔ اگر عارفوں کی ہمتوں پر کائنات کو نثار کر دو تو ان کے ارادوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ آسکے گا۔ ان بلند ہمت عارفوں سے کس طرح ممکن تھا کہ اپنی معرفت کا عوض مانگتے اور ثواب کے طلبگار ہو کر عذاب سے نجات پانے کا مطالبہ کرتے۔ معرفتِ باری تعالیٰ کے بعد ثواب کی طلب ہمت کی کمزوری اور معرفت میں کمی کی دلیل ہے۔ ان کا لباس تقویٰ ہے اور ان کے سر کا تاجِ اسلام ہے اور ان کی بادشاہی کا جھنڈا معرفتِ الہی ہے اور ان کا محلِ اللہ کی اطاعت ہے۔ تو بتاؤ اس بادشاہی سے افضل کون سی بادشاہی ہے؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ کونسی خوشی اور لذت ہے جو اللہ تعالیٰ کے وصل کی لذت سے زیادہ لذت دہکتی ہے اور وصل کا جو مقام رب العالمین کے

مردانِ جواں ہمت عارفوں کو حاصل ہے کیا کوئی دوسرا اس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم عارفوں کی اس کامیابی پر خود گواہ ہے!

قل بفضل اللہ و برحمته فبذالك فليفرحوا هو

خیر مما یجمعون ط

”آپ ان سے فرمادیں کہ مردانِ عارف اللہ کے فضل اور

اسکی رحمت کو حاصل کر کے خوش ہیں اور ان کی خوشی اس

مال سے بہتر ہے جس کو تم جمع کرتے ہو۔“

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اس کے برگزیدہ بندے بھی

ہیں جن کو اس نے اپنی محبت کے لئے خالص کر لیا ہے اور ان کا شوق اللہ کی

جانب ہے۔ نہ تو انہیں جنت کا شوق ہے اور نہ دوزخ کا خوف ہے۔ ایک

حدیث میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت شعیب رضی اللہ عنہ نے شوقِ الہی میں رونا

شروع کر دیا۔ اتنا روئے کہ آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ نظر

عنایت فرما دی۔ مشیروں نے کہا اب رونا بند کر دیں کہیں دوبارہ آنکھیں

ضائع نہ ہو جائیں لیکن عشق نے آرام نہ لینے دیا آپ روتے رہے۔ نظر

ضائع ہو گئی لیکن پھر نظر حاصل ہو گئی اور پھر ضائع ہو گئی۔ تین بار اسی طرح

ہوا۔ اس کے بعد آپ کی طرف جبرائیل رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور وحی لائے کہ

اے شعیب رضی اللہ عنہ اگر آپ دوزخ کے ڈر سے روتے ہیں تو ہم نے آپ کو

امن دیا اور اگر آپ کا رونا طلبِ جنت کے لئے ہے اور تو ہم نے آپ کے

لئے جنت کو واجب کر دیا۔ عرض کی یا مولیٰ نہ جنت کی خوشی اور نہ جہنم کا خوف

لیکن تیری محبت اور تیرا شوق اور تیرا دعا ہے جس سے تمہارے لئے رو رہا ہوں۔

دوبارہ وحی آئی کہ اے شعیب رضی اللہ عنہ عشق ایک مرض ہے جس کا نہ کوئی علاج ہے اور نہ اس کی کوئی دوا ہے اور نہ غم عشق کی کوئی حد ہے۔ اگر علاج ہے تو میرا دیدار ہے اور دوا اس کی میرا لقاہ ہے۔ اے شعیب روتے رہو، روتے رہو اور روتے رہو۔ میری ذات واحد ہے اور میرے سوا کائنات میں تیرے لئے اور کوئی نہیں اور نہ تیرے مرض کا تیری ذات کے سوا کوئی علاج کرنے والا ہے اور اے شعیب رضی اللہ عنہ میری لقاہ کے سوا تیرے لئے کوئی راحت نہیں لہذا تیری راحت و سکون عشق میں ہے اور اس کی حقیقت میں ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے!

لا راحة للمؤمنین دون لقاء اللہ

”مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے لقاہ کے سوا خوشی حاصل نہیں ہو

گی۔“

حکایت ہے کہ انبیاء کی جماعت میں سے کسی نبی کی ملاقات ایک گروہ سے ہوئی۔ اس گروہ کے لوگ عبادت میں مصروف تھے۔ نبی نے ان عابدوں سے سوال فرمایا کہ تم کس خیال پر عبادت کرتے ہو تو انہوں نے عرض کی کہ ہم نے اللہ کے نبیوں کی اطلاع پر جنت کی نعمتوں اور جہنم کی مصیبتوں کے متعلق سنا ہے لہذا ہم عبادت میں مشغول ہو گئے ہیں اور کوشش اور سخت محنت و مشقت کر رہے ہیں کہ اللہ ہمیں جنت میں جگہ دے کر دوزخ سے بچائے اور اس کوشش میں ہم نے رات کو دن بنا لیا ہے اور رات دن دوزخ کی آگ سے ڈرتے ہیں اور جنت کی تمنا کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عابدوں کی جماعت یہاں لایا گیا اللہ کے لئے اس خیال پر عبادت

نہیں کرتے جس پر تم عبادت کرتے ہو۔ تمہارا عمل جنت کی طلب اور جہنم کی دہشت میں ہے۔ ہم اللہ کی محبت کے لئے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی جناب پاک کے شوق میں اس کی عبادت کرتے ہیں۔

ایک حکایت میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک جماعت پر ہوا جن کے بدن کمزور ہو چکے تھے اور رنگ بھی متغیر ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا حالت ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو عرض کی دوزخ کی آگ کا ڈر ہے۔ فرمایا یہ اللہ کا حق ہے کہ ڈرنے والوں کو امن عطا فرما دے۔

آپ کا گزر ایک دوسری جماعت پر ہوا جن کی حالت بہت زیادہ خراب تھی، ریاضت اور طویل عبادت کی وجہ سے ان کا بدن کھل گیا تھا اور رنگ بدل گیا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہاری یہ حالت کس وجہ سے ہے عرض کی جنت کی خواہش نے ہمیں اس درجہ پر پہنچایا ہے اور ہم نے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے۔ فرمایا یہ اللہ کا حق ہے کہ جنت کی طلب کرنے والوں کو وہ جنت دے۔

آپ کا گزر جب تیسرے گروہ پر ہوا تو آپ نے دیکھا کہ یہ گروہ پہلے دونوں گروہوں کی ہیئت سے زیادہ لاغر و ناتواں اور پریشان حال ہے لیکن اس گروہ کے تمام افراد کے چہرے نورانی ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اس گروہ سے سوال فرمایا کہ یہ کیا حالت ہے جو آپ حضرات کو پہنچی ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق اس قدر شدید ہے کہ ہم نے اپنی حالت کو اس طرح کو دیا ہے جو آپ نے فرماتا ہے۔

مقرب ہو، تم مقرب ہو اور تمام مرتبوں سے زیادہ بلند مرتبہ قرب الہی کا ہے۔
 حضرت محمد ابن صباح فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ بات ثقیبہ طریقے
 سے سنی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو تمام
 لوگوں سے الگ کرے گا اور ان کو تین حصوں میں الگ الگ تقسیم فرما کر کھڑا
 کرے گا اور ہر گروہ سے الگ الگ سوال فرمائے گا۔ ایک گروہ کو بارگاہِ
 ربوبیت کے پیش فرما کر سوال ہوگا اے میرے بندو تم کیا چاہتے ہو اور کس
 بناء پر نیک عمل کرتے رہے ہو؟ یہ گروہ عرض کرے گا الہی تو نے خود ہی جنت
 کو پیدا فرمایا اور نعمتیں عظیم اور عجیب و غریب پیدا فرمائی ہیں۔ یا اللہ ہم نے
 رات دن عبادت کی اور روزہ دار رہے تاکہ وہ جنت حاصل کریں اور تو ہماری
 نیت سے واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بے شک تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہم
 نے تمہاری عبادت کو قبول فرمایا ہے اور تم سب کو جنت عطا فرمائی ہے۔ جاؤ
 جنت میں داخل ہو جاؤ اور میرے فضل و احسان نے تمہیں دوزخ کی آگ
 سے بچا لیا ہے۔

اب دوسری جماعت پیش ہوگی ان سے سوال ہوگا کہ تم نے کس بنا
 پر عبادت کی اور آج تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے یا اللہ دوزخ کی
 آگ جس کو تو نے عذاب بنایا ہے اس سے بچنے کے لئے ہم نے رات دن
 تجھ سے پناہ حاصل کی ہے اور اب یہ تمنا ہے کہ ہم عذاب سے محفوظ رہے
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا اے میرے بندو تم نے درست کہا ہے
 تمہارے اعمال دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرنے کے لئے تھے لہذا
 تمہیں دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرنے کے لئے تمہیں دوزخ کی آگ سے نجات
 حاصل کرنے کے لئے تمہیں دوزخ کی آگ سے نجات حاصل کرنے کے لئے تمہیں دوزخ کی آگ سے نجات

احسان سے جنت میں داخل ہونے کا حکم دیتا ہوں۔

اب تیسرے گروہ کی باری آئے گی ان سے بھی اسی طرح سوال ہوگا کہ اے میرے بندو تم نے کس بنا پر عمل کیا ہے؟ وہ عرض کریں گے یا اللہ تیری محبت اور تیری لقاء کا شوق اور تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کی تمنا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو تم نے سچ کہا ہے، تم نے سچ کہا ہے اور تم سنو مجھے تمہارا شوق ہے۔ اس جملہ کے ساتھ ہی پردے عابد و معبود کے درمیان سے دور کر دے گا بے حجاب دیدار کا مرحلہ طے ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم پر میرا سلام ہو قبول کرو اور اے میرے پسندیدہ اور برگزیدہ دوستو سنو! میں تمہارے لئے ہوں اور ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے میں نے تمام کائنات کو تمہارے لئے پیدا فرمایا ہے۔ آج تمہیں ہر وہ چیز ملے گی جو تم چاہو گے اور تمہاری خواہش ہوگی، آنکھ کی لذت، دل کا سرور، اہل جنت کی مسرتیں اور میری بارگاہ کے پہلو میں ہمیشہ ابد لابد رہو گے اور جنت کی تمام نعمتیں بارگاہ رب العالمین کی بازیابی کے بعد رائی کے دانہ کے برابر نہیں ہوں گی۔

حکایت ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں ہم نے یہ حدیث سنی ہے کہ میدان محشر میں جب تمام بنی نوع انسان جمع ہوں گے تو عرشِ معلیٰ سے ایک فرشتہ آواز دے گا کہ اے محشر میں حاضر لوگو! اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ مل جاؤ اور تمام معبودان باطلہ ظاہر کر دیے جائیں گے اور ہر شخص کو حکم کے مطابق اپنے معبود کو ملنا ہوگا۔ تمام بتوں کو پوجنے والے ان سے جا ملیں گے اور ان تمام غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں کو آگ میں داخل کر

دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کی اطلاع یوں فرمائی ہے!

انکم وما تعبدون حسب جہنم ط

”پیشک تم اور تمہارے معبود جہنم کا ایندھن ہیں“

اور اسی طرح تمام عابد اور زاہد اور ہر شخص اپنے مطلوب کو تلاش کرتے کرتے اس کے قریب چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ طالبانِ جنت، جنت میں اور اپنے عمل سامنے رکھ کر چلے جائیں گے۔ اس جانب قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے!

وسیق الذین التقوار بہم الی الجنة زمراء ط

”اور چلائے جائیں گے متقی لوگ اپنے رب کے فضل سے

جنت کی طرف گروہ گروہ۔“

اب ایک گروہ باقی رہ جائے گا۔ یہ گروہ باہمت ”اہل اللہ“ کا ہوگا۔ ملائکہ ان سے آ کر کہیں گے کہ تمام لوگ اپنے اپنے مطلوب کے پاس چلے گئے ہیں اور تم یہیں کھڑے ہو، جلدی کرو اپنے معبود کی تلاش کرو اور اس کے ساتھ جا کر مل جاؤ۔ بتاؤ تمہارا معبود کون ہے اور تمہارا مطلوب کون ہے، تم کیوں دوڑ کر اپنا معبود تلاش نہیں کرتے؟ یہ گروہ کہے گا کہ ہمارا معبود اور ہمارا مطلوب تمہارے گمان سے باہر ہے اور ہم خود اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے اپنے معبود کی نشانیاں بتاؤ تاکہ ہم تلاش کرنے میں تمہاری مدد کریں اور یا یہ بتاؤ کہ تمہارا معبود کس کی طرح ہے تاکہ اسے جلدی تلاش کر لیا جائے؟ یہ گروہ مردانِ خدا جواب دے گا کہ نہ ہمارے معبود کی کسی سے مشابہت اور نہ کوئی مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے گا ان سے زیادہ کلام نہ کرو ان

کا معبود بے کیف حاضر ہے۔ تمام حجاب دور ہو جائیں گے اور ارشاد ہوگا میرے طالبو! میں نے تمہارا سینہ بے قرار دیکھا ہے۔ مجھے تمہارے دل کی صحیح خبر ہے۔ آج تم میری زیارت کرو، یہ دن وعدہ کا دن ہے اور آج کے دن کے متعلق ہی میرا ارشاد تھا کہ!

وجوه یومئذ ناظرة الی ربہا ناظرہ ط

”اور اس دن بہت سے چہرے خوش ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھیں گے۔“

حکایت ہے کہ حضرت ثابت البنائی اور حضرت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ ہم حضرت رابعہ بصریہ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ آپ نے مالک بن دینار سے سوال فرمایا کہ کس لئے عبادت کرتے ہو۔ عرض کی تاکہ جنت کو حاصل کریں اور ثابت بنانی سے سوال فرمایا کہ آپ کس لئے عبادت کرتے ہیں۔ عرض کی دوزخ کے خوف سے۔ فرمایا سنو! مجھے شرم آتی ہے کہ جنت کو حاصل کرنے کے لئے یا دوزخ سے بچنے کے لئے عبادت کروں، میں اس طرح کروں تو میں ایک مزدور ہوں کہ جب تک مزدوری نہ ملے کام نہیں کرتا یا اس غلام کی طرح ہوں جس کا ہر کام اپنے آقا کے خوف پر ہوتا ہے کہ اگر اس طرح نہ کیا تو سزا ملے گی اور خوشی سے خدمت نہیں کرتا۔ ہم نے عرض کی آپ فرمائیں کہ آپ کس لئے عبادت کرتی ہیں۔ فرمایا اس کی محبت کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور جب شوق زیادہ ہو تو عبادت میں زیادتی کر لی جائے لیکن جہنم یا جنت کا تصور درمیان میں نہ ہو۔

حکایت ہے کہ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ بلند ہمت وہ

شخص ہے جو اللہ کہہ دے اور تمام جہانوں سے بے خبر ہو جائے۔

حکایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم نے حضرت محمد بن واسغ سے فرمایا انتہا آپ کی ہمت کی کیا ہے؟ عرض کی انتہا تو جنت کا حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا یہ تو شرم کی بات ہے کہ ہماری انتہائے ہمت مخلوق ہو اور فرمایا کاش اللہ تعالیٰ جنت و دوزخ کو اٹھا دیتا اور ساجد و عابد تمام تعلقات کو مٹا کر اللہ کو سجدہ کرتے اور خالص اسی کی عبادت کرتے۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک قوم کو دیکھا اور ان کی صحبت اختیار کی ہے۔ یہ حضرات اللہ سے شرماتے تھے کہ جنت کا سوال کریں۔

حکایت ہے کہ ایک آدمی شام کا رہنے والا ابوعلی بن زیاد کے پاس آیا اور ابوعلی مسجد میں بیٹھے تھے۔ شامی نے کہا کہ میں نے آج رات خواب میں آپ کو جنت میں دیکھا ہے۔ آپ مجلس سے اٹھے اور رونے لگے اور اس قدر روئے کہ غش کھا گئے۔ جب آپ کو ہوش آیا تو فرمایا کہ اے میرے دوست میں تو تیری حالت پر روتا رہا ہوں کہ تو کہیں اس نعمت سے نہ ہٹ جائے۔ جو شخص منعم کو پالیتا ہے اور اسے حق معرفت حاصل ہو جاتا ہے وہ اس کی بارگاہ سے پھر کر نعمتوں کو نہیں دیکھتا۔

حکایت ہے کہ حضرت رابعہ فرماتی ہیں کہ میں نے تیس سال تک رونا اختیار کئے رکھا۔ دس سال اللہ کے خوف سے روتی رہی اور دس سال اللہ کی راہ میں اور دس سال اللہ کے شوق میں۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصریٰ ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔

ہوا۔ سامعین زور زور سے رونے لگے لیکن ایک مرد عارف عارفانہ انداز میں مسکراتے ہوئے واعظ کی جانب دیکھتے رہے۔ وعظ ختم فرما کر حضرت ذوالنونؒ نے فرمایا کہ اے جوان تو ہنستا رہا جبکہ لوگ رو رہے تھے، کیا تیرے دل میں دوزخ کا خوف نہیں۔ یہ سن کر عارف نے ان اشعار کو پڑھا اور شعر سنا کر چلا گیا۔

كلهم يعبدون من خوف النار

ویرجون النجات حظاً یزیلاً

”تم لوگوں نے خوف کی وجہ سے عبادت شروع کی ہے اور

دوزخ سے بچ جانے کو بڑی کامیابی اور اجر عظیم جاننے لگ

گئے ہو۔“

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ اے اللہ والوں کے گروہو غور سے سنو! مردانِ خدا کی ہمت اس قدر بلند ہوتی ہے کہ دنیا تو دنیا کے عاشقوں کو دے دیتے ہیں اور آخرت اپنے طلبگاروں کے پاس چلی جاتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ اپنے طلبگاروں کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور اگر اللہ جل شانہ ان کو دوزخ کی آگ میں داخل کرے اور دوسرے طرح طرح کے عذاب ان پر ڈال دے تو کبھی اس طرح نہ ہوگا کہ ان کے دل اپنے مالک و خالق کی طرف سے منقطع ہوں بلکہ ان حضرات کو اللہ کے ساتھ سکون اور بڑھ جاتا ہے اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کی طرف ان کی رغبت ہو۔ اس لئے ان کی ہمت بلند اور روح محفوظ ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر جنت اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ معروضی ہو کہ عارفوں کو دی جائے تو وہ ہرگز

قبول نہیں کرتے بلکہ آسمان وزمین، جنت وغیرہ تمام ان کی نگاہوں میں رائی کے دانہ کے برابر بھی اتنی شان نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بلند ہمتی کی خبر دیتا ہے اور ایک عالم پر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ جب بندہ خالص میرا بن جاتا ہے تو اس کو نہ آگ سے خوف ہوتا ہے نہ آگ جلانے والوں کا ڈر ہوتا ہے بلکہ آگ کی حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو لذت حاصل تھی وہ کسی جنتی کو حاصل نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ اور اصل سبب یہ ہے کہ عاشقوں کے دلوں میں عشق رب العالمین کی آگ کا روشن ہو جانا اس قدر بڑی آگ کا روشن ہونا ہے کہ دوزخ کی آگ تو کیا ایزادے سکتی ہے البتہ اس کو اپنے ٹھنڈا ہو جانے کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اور آگ کا کام ہے جلانا اور جلانے کی اس چیز کو جو جلنے کو تیار ہوگی اور آگ کو قبول کر لے گی۔ ابراہیم علیہ السلام کا بدن نور معرفت اور گرمی عشق سے پہلے ہی جل چکا تھا۔ اب نمرودی آگ نے اپنا اثر کرنے سے عاجزی کا اظہار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ جلے ہوئے کو آگ نے کیا جلانا تھا جب آگ اپنا اثر قائم کرنے سے بے کار ہو گئی تو غالب ہونے کی بجائے مغلوب ہو کر ابراہیم علیہ السلام کی حرارت عشق کو قبول کرنے لگی۔ اسی مقام پر آسمان سے آواز آئی!

یا نار کونی برداً و سلماً علی ابراہیم ط

”اے آگ تو ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہو جا (سلامتی بن جا)۔“

یعنی آگ کی دو صفتیں تھی گرمی اور ایزاء دکھ درد۔ ”بردا“ فرما کر گرم

کو سرد کر دیا اور ”سلماً“ فرما کر ایزاء کو سکون سے بدل دیا اور موذی آگ

marfat.com

خالص نفع اور صحت و سلامتی والی بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس واقع کو بیان فرمایا کہ یہ واضح فرمایا کہ میرے بندوں کو دوزخ تو کیا کائنات کی کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی۔ آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے کہ جب مومن کو پل صراط سے گزرنا ہوگا تو دوزخ پکار کر آواز دے گی کہ مومن جلدی گزر جا، تیرے نور کی شعاع اس قدر تیز ہے کہ میرے شعلے ماند پڑ جائیں گے، یعنی پل صراط سے گزرتے ہوئے تعجب کے ساتھ میرا تماشہ نہ دیکھ کہ یہ دوزخ ہے جو خوف کا مقام ہے۔ اس طرح مجھے شرمندگی ہوگی اور میرے شعلے ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو جلدی گزر جا۔

حدیث پاک میں آتا ہے جب نمرود نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ لو اور اپنے معبودوں کی امداد کرنے کے لئے اس کو شدید آگ میں ڈال دو اور ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو۔ آپ یہ باتیں سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ تم نے جو آگ جلائی ہے یہ بہت کمزور ہے۔ یہ میری ذات کو کس طرح جلا سکتی ہے میرے سینے میں عشق کی آگ روشن ہے اور پکار کر کہا!

حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ط

حکایت ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی شان بے نیازی سے مجھے جہنم میں داخل کر دے تو مجھے دل سے پسند ہوگا اس معرفت کی وجہ سے جو مجھے حاصل ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کو اس طرح التجا کرنے کی کیا ضرورت ہے اپنے لئے جہنم کو طلب کرنے لگ گئے اور جہنم کو اپنے متعلق یہ دُعا التجا کہہ دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ معرفت الہیہ کے ساتھ اگر کسی کو دوزخ میں ڈال دیا جائے تو اس کو مخلوق پر یہ بات کھل جائے

وقت نہیں رکھتے جبکہ تو اپنی معرفت عطا فرما دے اور اپنی محبت دے کر اپنی طرف رغبت عنایت فرما دے۔ میرا غور و فکر صرف تیری ذات کی عظمت میں ہے۔ ابنِ سرینیٰ فرماتے ہیں اگر جنت اور وقتِ نماز دونوں حاضر ہو جائیں اور مجھے کہا جائے کہ یہ جنت اختیار کر لو اگر نماز میں لگ گئے تو جنت غائب ہو جائے گی تو میں جنت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دو رکعت نماز نفل کو زیادہ پسند کروں گا۔ اس لئے کہ جنت میں میرے نفس کی خوشی اور بدن کی رضا ہے اور دو رکعت نماز نفل پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا پائی جاتی ہے لہذا جس فعل میں اللہ کی رضا ہو وہی بہتر ہے۔

ابو عبد اللہ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ جنت اور جہنم سے جو چاہوں اختیار کر لوں تو میں اللہ کریم سے یہ عرض کروں گا کہ اے اللہ تمام اہل جہنم کے بدلے تو مجھے جہنم میں بھیج دے اور میرے بدلہ میں تمام اہل دوزخ کو جنت میں داخل فرما دے۔ تمام بنی نوع انسان کے عذاب کو میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، تمام عذاب مجھ پر رکھ دے اور ان سب کو بری کر دے اور عرض کی اے اللہ یہ فیصلہ میں نے اپنے دل سے کر لیا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ میری زبان کو اللہ کریم اپنے ذکر کی اجازت دے رکھے اور میرے دل کو معرفت سے خالی نہ کرے۔

عبد اللہ بن عزیز فرماتے ہیں اس ارشادِ گرامی کو میں نے کئی دفعہ سنا تھا میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو گئی ہے ایک منادی باواز بلند کہہ رہا ہے کہ عبد اللہ کہاں ہے؟ میں دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ میں ہوں عبد اللہ۔ منادی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کیا ہے کہ اگر اللہ کریم

مجھے اہل جہنم کے بدلے میں جہنم میں داخل کر دے تو میں اللہ کے اس فیصلے کو دل سے قبول کروں گا؟ میں نے کہا ہاں! یہ بات میں نے ہی کہی ہے اور اب بھی کہتا ہوں۔ منادی نے کہا اچھا آج آپ کے اس وعدہ کا امتحان لیا جائے گا کہ اگر یہ دعویٰ کرنے میں آپ صحیح ہیں تو واضح ہو جائے گا۔ منادی نے یہ کہہ کر میرے سینے پر ہاتھ مارا جس کے ساتھ ہی مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور اپنی تمام گفتگو پر دوزخ کی ہیبت سے واقف ہو گیا لیکن میں نے اپنا وعدہ دوبارہ دہرایا۔ منادی خاموش ہو گیا اور خواب کا عالم ختم ہو گیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ معرفت کے چشمہ سے اگر ایک پیالہ حاصل ہو جائے تو وہ معرفت کا پیالہ شراب ہو جائے گا اس میں احسان کی مشک کو داخل کیا ہو گا اور عنبرِ عنایت کو ہمت کے پانی میں پکایا ہو گا۔ اب جس کو یہ پیالہ مل گیا ہو اس کو کیا ضرورت کہ دنیا اور آخرت کی طرف دوڑا پھرے اور جو یہ تین چیزیں حاصل کر لے اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی دوسرے نشہ کی جانب نظر کرے اس لئے کہ یہ نشہ تو ابد تک کافی ہے۔

بان تسکون الجنات فتخطوا فی ریاض عیونہا سبیلاً
لیس فی الخلد ولجنان ہواء الا ابتغی یحی بدیلاً
”جنتیوں کے سکونت اور باغیچوں کی سیر مسلسل جاری چشموں
کا پانی پسند کر لیا ہے۔ خلد بریں اور جنتوں کے حاصل
کرنے کی خواہش چھوڑ دو اور کہہ دو کہ ہم اس طرح کا اجر
نہیں مانگتے۔“

یہ اشعار سن کر حضرت زکریاؑ نے کہا کہ جو اس کی ہمت نہ

رکھتا ہو اس کے لئے یہ ہمت کافی ہے کہ جنت کو طلب کرے مرد عارف نے کہا!

ان لم اکن للوصالِ اہلی رضیت بالنار منزلاً ومقیلاً
ثم اعجزت اہلہا نیوی بکرة من حریقہا واصیلاً
معشر المسلمین توحو علی انا عبد خدمت مولا جلیلاً
وان لم اکن للذی او عیت محققاً فجزاء بینی عذاباً طویلاً
”اگر میں وصالِ محبوب کا اہل نہیں ہوں تو پھر یہ پسند کرتا
ہوں کہ آگ میں اپنا ڈیرا جمالوں۔“

”اگر میری ہمت زیادہ ہو تو میں زیادہ حق دار ہوں کہ صبح و
شام آگ میں جلتا رہوں۔“

”مسلمانو! مجھ پر رو کہ میں نے اپنے مالک عزت و عظمت
والے کی خدمت شروع کر رکھی ہے۔“

”اور اگر میرے دل میں یہ گنجائش نہیں کہ حق تعالیٰ کو سما
سکوں تو طویل عذاب زیادہ بہتر ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے
اپنی دعاوی میں اکثر یہ دعا کی کہ اے اللہ کریم میں تعجب کڑتا ہوں اس شخص پر
جو تجھ کو پائے اور پھر تجھ سے پھر جائے اور تیری ذات کے سوا اس کو کسی اور
سے سکون حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ یاد رکھو جو میری
طرف ایک دفعہ آتا ہے اور میری محبت کا حصہ پالیتا ہے وہ اب دوسری جانب
کبھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا اور وہ کبھی جاتے ہیں وہ راہ سے ہی

واپس ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم صلوٰۃ اللہ علیہم دونوں ایک دفعہ ایک راستہ پر جا رہے تھے کہ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری خالہ کے بیٹے آج مجھے ایک عظیم گناہ کا مشاہدہ کرنا پڑا ہے اور وہ یہ تھا کہ ایک عورت کے ساتھ تصادم ہو گیا تھا۔ اللہ کی قسم مجھے کوئی پتا نہیں کہ وہ کیا بات ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سبحان اللہ بھائی آپ میرے ساتھ چل رہے تھے اور آپ کا دل کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا دل اللہ کی محبت میں محو تھا۔ یہ کہہ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عیسیٰ اگر میرا دل ایک لمحہ کے لئے کسی دوسرے کے ساتھ لگ جائے اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ تعلق پیدا کر لے تو میں یہ گمان کروں گا کہ میں نے کبھی اللہ کو نہیں پہچانا اور معرفت حق مجھے کبھی حاصل نہیں ہو اور ایک لمحہ بھی عارف نہیں ہوا تھا۔ یہ بات سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونے لگے اور فرمانے لگے کہ آپ کو مبارک ہو، یہ کمال معرفت ہیں۔ میں ابوالقاسم عارف جنید کہتا ہوں کہ تمام عالم دنیا اور تمام عالم آخرت میں اللہ کے پسندیدہ عارف کی ہمت سے بڑھ کر اعلیٰ اور عظمت والی کوئی چیز نہیں۔ اس لئے کہ عارف مردِ ربانی ہوتا ہے اور فروانی (صاحب کمال) ہوتا ہے اور صدانی (بے نیاز) ہوتا ہے۔ روحانیت میں باقی ہوتا ہے اور ہمیشہ قائم و دائم ہوتا ہے، بلند اور قدیم ہوتا ہے، قدوس شان والا ہوتا ہے بلکہ وہ ہر لحظہ بجلیاں برساتا ہے اور وقت کی چمک ہوتا ہے اور اللہ کی امانت کو ادا کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اور www.marfat.com ہے۔ اللہ کے مرد

عارف کا کمال ادراکِ عقل سے بلند اور اس کی شرافت میں غیر اللہ ان کے مقابلہ میں عاجز ہوتا ہے اور عارف کا کمال معرفت یہ ہے کہ اس کی محبت میں اپنے وجود کو جلا کر رُبوتیت میں گم ہو جاتا ہے۔

اِنْسِي لِاَضْحَكِ وَالْحَشَايَةِ تَحْرَقُ وَاِنَّمَا ضَحِكُنَا رِزْقٌ وَيَحْرَقُ
ابوالقاسم حضرت جنید فرماتے ہیں اے اللہ والو سنو! طریقت اور
صیانتِ نفس معرفت کے دو شعبے ہیں اور یہ دو رسیاں ہیں جو انسان کو تمام
طرف کی تحقیق میں لے جا رہی ہیں اور یہ دونوں راہِ حیا اور حرمت کے ساتھ
وابستہ ہیں۔ یہ دونوں کی محل کی جگہ ہیں ذہن پر تا کہ بندۂ مومن اپنے دل کو
بارگاہ میں موجود کر لے اور باقی تمام تعلقات کو اپنے دل سے منقطع کر دے۔
توصیانت کا اصلی معنی یہ ہوگا کہ مردِ عارف اپنی تمام ضروریات کو انسانوں کے
طمع سے پاک کر لے اور حفاظتِ نفس میں اس قدر محتاط ہو جائے کہ کسی آدمی
سے کوئی حاجت طلب نہ کرے اور یہ طمع کا ترک کرنا ہے۔ طمع کا ترک اسی
طرح کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے نفس کی کوئی حاجت طلب نہ کرے
بلکہ اللہ سے جب مانگے تو اللہ ہی کو مانگے اور اپنی تمام حاجات کو پورا کرنے
کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کریم کی طرف تفویض اور سپرد کر دے اور
زمین کی ہر حاجت کا اس کو کارساز بنا لے اور تمام اصلاحِ احوال کو مولیٰ کریم
کے سپرد کر دے اور کبھی کسی مصیبتِ انسانی کا حل نہ مانگے بلکہ یہ کہے کہ ہر
چیز اسی کی ہے لہذا اس کے دربار سے سوال نہ کرے، جب بھی سوال کرے
خود اس کو طلب کرے۔ اس بات کی دلیل خود آ حضرت ﷺ سے ثابت ہے
کہ ثوبان ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو مانگا تو نے ارشاد فرمایا کہ کون

ہے جو میری ایک بات قبول کرے گا اس کے لئے رضوان اکبر (بڑی رضا) کی بشارت دیتا ہوں۔ میں نے عرض کیا غلام آپ کے ارشاد کو قبول کرنے پر حاضر ہے۔ فرمایا یاد رکھو! کسی آدمی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ اگر گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے ہوں اور ہاتھ سے چابک گر جائے اور لوگ موجود ہوں تب بھی وہ خود گھوڑے سے نیچے اتر کر چابک اٹھاتے اور کسی سے سوال نہ کرتے کہ یہ پکڑا دینا اور زبان سے بھی نہ نکلتا تھا۔

بعض عارفوں کو لوگوں نے کہا کوئی حاجت بیان کرو تا کہ وہ حاجت پوری کر دی جائے تو ان عارفوں نے کہا ہمیں تو اللہ سے شرم آتی ہے کہ اس کی بارگاہ سے دُنیوی حاجتوں کو طلب کریں۔ حالانکہ وہ تو مالک ہے ہر چیز کا اور یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ان سے مانگوں جو کسی کے مالک ہی نہیں۔ تو جب مالک سے مانگنے پر حیا روکتی ہے تو محتاج سے مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حکایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوریؒ اپنے ساتھ ایک جماعت کو لے کر حضرت رابعہؒ کی زیارت کرنے کو حاضر ہوئے تو ان کی حالت کو نرم پایا۔ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ آپ کا زمانہ معتقد ہے۔ آپ کسی امیر کو اطلاع فرما دیں تا کہ وہ آپ کی ضروریات کو پورا کر دے۔ اس قدر مال آپ کو حاصل ہو جائے گا جس کی وجہ سے تمام ضروری کام نکل آئیں گے۔ حضرت رابعہؒ فرمانے لگیں مجھے اللہ کی قسم ہے کہ دُنیا کے مالک سے دُنیا مانگنے پر شرم آتی ہے۔ www.marfat.com والوں سے دُنیا کو

طلب کروں۔ فرمایا کہ ہر صوفی عارف کے لئے معرفت کی عزت حاصل ہو جانے کے بعد یہ فرض ہے کہ اپنے نفس کو کسی دنیا کی چیز کے سامنے ذلیل نہ کرے اور اس کے دربار عالی کے سوا کسی کا محتاج ہونا تو درکنار توجہ بھی نہ کرے۔ اس لئے کہ معرفتِ الہ الغلیمین کی جلالت اور تعلق باللہ کی حرمت بھی ہے کہ کسی غیر کے سامنے محتاج نہ ہو اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں آپ کو نہ پہچانتی کہ آپ کون ہیں تو میں فوراً غصہ کرتی اور آپ کو اپنی مجلس سے نکال دیتی۔

حکایت ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت سفیان ثوریؒ کے پاس حاضر ہو کر سوال کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا ایک درہم کا نصف عنایت فرما دیں۔ آپ نے ایک دینار دیا تو حاضرین نے عرض کیا کہ یہ دینار تو نہیں مانگتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر سائل کو اپنی عزت کا خیال نہ ہو تو ہم کیا کریں لیکن ہم اپنے کرم و احسان کو اور ہمت کو کس طرح چھوڑ دیں گے اگر سائل عزتِ نفس کو نہیں چھوڑتا تو ہم سخاوت و کرم نوازی کی صفت کو کبھی نہیں ترک کرتے۔

حکایت ہے کہ سیدنا حسین ابن علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں کہ ہم ابو عبد اللہؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ آپ کے پاس ایک چھری تھی جس کے ساتھ غلط حروف کو مٹایا جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میری کتاب میں ایک لفظ غلط ہے میں نے کہا کہ یہ چھری عنایت فرما دیں تاکہ یہ لفظ درست کر دیں۔ آپ نے وہ چھری مجھے دے دی میں نے اپنا کام کر لیا اور چھری واپس کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ www.marfat.com لئے کہ یہ سوال انسان کو

ذلت میں ڈال دیتا ہے اور سوال کرنے والا اپنی ہمت کو ذلت میں ڈال کر کم ہمت بن جاتا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت بہلول مجنونؒ کی عادت تھی کہ وہ کبھی کسی سے سوال نہ کیا کرتے تھے۔ اگرچہ نہایت بھوک بھی لگی ہوتی تو پھر بھی سوال نہ کرتے تھے۔ حالانکہ کئی دفعہ عرض کیا گیا کہ جب آپ کو ضرورت ہو تو آپ فرما دیا کریں کہ یہ ضرورت ہے۔ فرمایا ہم نے اپنے سوال کو واسطہ نہیں بنانا اگر ہم نے اس طرح کیا تو ہماری ہمت و جرات ختم ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا جناب ہمت کس کو کہا جاتا ہے؟ فرمایا ہمت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے اپنی حاجت کا طلب کرنا ختم کر دے اور ہمت کا مقام یہ ہے کہ آپ اپنی تمام حاجتیں اور ضرورتیں اور ^{مصلحتیں} اس کی ذاتِ اقدس کے سپرد کر دیں اور ہمت کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی طرف اپنی توجہ اور التفات بھی نہ ہو۔

حکایت ہے حضرت عماد قرشیؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا اور میں نے ایک رومال لیا تاکہ پانی وغیرہ جسم سے صاف کر لیا کروں گا۔ میں نے اس رومال کو دھویا اور دو حصوں میں اس کو پھاڑ لیا۔ نصف تو میں نے رکھ دیا اور نصف کو استعمال کرنے لگا۔ بعض ضرورتوں کا بار بار احساس ہوتا رہا اور کپڑے کے زیادہ حصہ پر جو رقم خرچ ہو گئی تھی اس کا خیال آتا رہا۔ ایک وادی میں جا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ چاندی بہت زیادہ پڑی ہوئی ہے گویا کہ پوری وادی چاندی کی ہے لیکن میں نے اس چاندی کی وادی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اللہ جل جلالہ سے دعا کی کہ اللہ میں ہر اس

ارادہ سے توبہ کرتا ہوں جو میرے خیال میں پیدا ہوا ہے۔ استغفار پڑھتا گیا اور راہ چلتا گیا اور میں نے اس چاندی کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب اس وادی سے باہر آ گیا تو اللہ سے دُعا کی کہ اے اللہ جو چیز مجھے تیری راہ سے روکنے والی تھی اور روکنے والی ہوگی میں اس کے حاصل ہونے سے پناہ پکڑتا ہوں۔ مجھے ان حضرات کی جماعت میں شامل فرمائیں جن پر کوئی چیز اثر نہیں کر سکتی۔ تو ہی تو ہمارا کارساز اور مالکِ حقیقی ہے۔

حضرت حسن براجروئی سے کہا گیا کہ کون سی چیز آپ نے ابو عبد اللہ سے تیس سال میں پڑھی ہے؟ فرمایا تیس سال میں، میں نے تین چیزیں پڑھی ہیں۔ اول عزتِ معرفت، دوم طریقہٴ عبادت، سوم حسنِ اخلاق۔ عرض کی گئی کہ آپ ان باتوں کو وضاحت سے فرمائیں تو عنایت ہوگی۔ فرمایا صیانتِ عزتِ معرفت تو یہ ہے کہ آپ کسی کے سامنے سائل بن کر کوئی چیز نہ مانگیں اور کسی شخص سے کوئی چیز اس طرح قبول نہ کریں۔ عرض کی طریقہٴ عبادت کیا ہے؟ فرمایا طریقت یہ ہے کہ اللہ سے اس کی معرفت کے سوا کسی چیز کا سوال نہ کریں۔ عرض کی گئی اخلاق کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ دونوں جہاں کی تمام نعمتوں کے باوجود اللہ ہی کافی ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت داؤد طائیؑ بیمار ہو گئے تو آپ نے مکان کے اندر گوشہٴ تنہائی اختیار کر لی اور ایک عرصہ باہر آ کر کسی طبیب کے پاس نہ گئے اور نہ ہی کسی سے کوئی چیز مانگتے۔ کم از کم اس بیماری کے دنوں میں تو کوئی چیز ضرورت کی طلب فرما لیتے۔ ارشاد فرمایا اس بات سے شرماتا ہوں کہ اللہ مجھے جب دیکھ لے گا کہ وہ بیمار ہے اور وہ بیمار ہے۔

(عزت) فقر کے خلاف ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر یہ حالت ہے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں تاکہ آپ کو صحت حاصل ہو جائے۔ فرمانے لگے کہ اللہ جل شانہ سے یہ سوال کس طرح کر سکتا ہوں جبکہ خود اسی نے میرے لئے مرض کو پیدا فرمایا ہے باوجود ظاہری و باطنی علم کے اور کمال کرم نواز اور مہربان ہونے کے۔ اب اس تمام حقیقت کا علم حاصل ہونے کے باوجود سوال کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس کو شفاء کے لئے عرض کروں۔ وہ کہے گا کہ یہ بندہ کس طرح کا ہے جو میرے اختیار پر اپنی مرضی حاصل کرنے کی درخواست پیش کرتا ہے۔ اسی کا حکم ہے اور اسی کا فیصلہ اور تمام طرح کی حمد و ثناء کا وہی مستحق ہے ہم اس کے فیصلہ پر الحمد للہ کہہ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ اب عرض کیا گیا کہ اگر آپ مکان کے اندر سے باہر صحن میں آ کر بیٹھیں تاکہ ہوا جسم کو سکون دے۔ آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے اللہ کریم کہے گا کہ یہ بندہ اپنے نفس کی خوشی کا اتنا طلبگار کہ راحت اور سکون حاصل کرنے کے لئے ہوا کا سہارا لے رہا ہے اور یہ بات میرے لئے اصول معرفت کے خلاف ہے۔ آپ سے کسی نے ہمت اور بلندیِ روح کا سوال کیا تو فرمایا ہمت و علو کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک کو روح کی طرف رکھ دیا ہے اور دوسرے کو دل کی جانب۔ اسرارِ روح کے قبضہ میں دیے ہیں یعنی ہمت پر روح بکرا اختیار ہے اور عزتِ نفس تجرید کے دسترخوان پر قائم کی گئی ہے اور دل کی ہمت یہ ہے کہ صدق کی بنا پر تصدیق اور باطنی راہ جس کو حسن اور عزت کے نام بھی دیے جاتے ہیں ہمت کی وسعت اور تحقیق معرفت کو حاصل کر لینا ہے اور اگر ہمت کو دل لانا ہے تو اسے مزاج و عادت اور عبادت کا خاتمہ کر دینا

ہے اور ہر طرح کی لالچ مخلوق کے ساتھ رکھی جاتی ہے اس کا خاتمہ کر دینا ہے۔ طریقت کا اصل منشاء اللہ کے سوا تمام مخلوق کے تعلقات مٹا دینا ہے اور فتوت کا اصل معنی دل کو اللہ کے ساتھ لگا دینا ہے اور تمام مخلوق سے نا اُمید ہو کر اپنی اُمید اللہ کے ساتھ لگا دینا ہے۔ مروت کا اصلی معنی یہ ہے کہ ذاتِ واحد کی معرفت کے لئے مردِ عارف خود واحد ہو جائے اور باطنی حالات کو اللہ کریم کے ساتھ پختہ کرے اور مضبوط ہو جائے۔

حکایت ہے کہ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک وادی میں ہم اترے تو مجھے شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ میرا نفس مجھے بار بار کہہ رہا تھا کہ میں کسی دوست سے کچھ مانگ لوں۔ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ یہ مطالبہ توکل کے خلاف ہے اور صیانت کے خلاف ہے۔ پھر دوبارہ میرے نفس پر بھوک کا غلبہ ہوا تو میں نے اللہ کریم سے دُعا کی کہ یا اللہ مجھے صبر کی قوت عطا فرما۔ ناگہاں ہاتھ غیبی نے میرے قریب آ کر فرمایا کہ جو شخص ہمارے پاس آتا ہے اور دُعا کرتا ہے تو ہم اسے ضائع نہیں کرتے اور پھر اس کے بعد دوبارہ آواز آئی کہ میں اللہ ہوں جو میرا بن جاتا ہے اور میری یاد میں لگ جاتا ہے وہ قبول ہوتا ہے اس لئے کہ ہم نے اس کو دیکھا اور اس نے ہم کو نہیں دیکھا۔ ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ اس آواز کے بعد میں اصل راز کو سمجھ گیا۔

(واللہ اعلم)

عارفِ کامل ابو القاسم حضرت جنیدؓ فرماتے ہیں اے اللہ والو سنو! اور یاد رکھو کہ میں نے اہلِ ہمت اور صاحبانِ امانِ معرفت کو دیکھا ہے اور غور و فکر کے ساتھ ان کی گفتگو کی ہے اور ان کو جانتا ہوں نے کی ہیں ان

باتوں کو سنا ہے۔ جو باتیں تیز بجلی کی طرح گزر جاتی ہیں اور ایک باریک اشارے اور عجیب و غریب واردات اور اسرار کی کلام اللہ کی طرف سے واقعہ ہوا کرتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کرتا ہے کہ جن دلوں پر یہ واردات قائم ہو جاتے ہیں وہ دل قابل تعریف ہو جاتے ہیں اور کسی دل کے حالات جاننا کہ یہ دل قابل تعریف دل ہے یا قابل نفرت ہے یہ صرف نبی اور رسول کا حق ہے کیونکہ نبی اور رسول علم باطن سے واقف ہوتے ہیں لیکن تمام انبیاء اور رسول اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف مراتب کے مالک ہیں اور ان کے درمیان مراتب کے فرق کا تعلق ہے اور یہ فرق نبوت و رسالت کی قوت کے ساتھ قائم ہے، لہذا جو نبی اور رسول جس قدر قوت کا مالک ہوگا اسی قدر زیادہ علم و حالات کا واقف ہوگا۔ اولیاء و صدیقین کو یہ مقام قرب الہی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جس قدر قرب حاصل ہوتی ہے اسی قدر ان پر کشف اور حالات واضح ہوتے ہیں۔ ان کے بعد وہ عقل رکھنے والے حضرات ہیں جن کی عقل میں قوت پرواز ہے اور وہ اپنی قوت عقل کے ساتھ حالات کو معلوم کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ذہین انسان ہیں جو توحید کے چشمہ کرم سے کشف و علوم کو حاصل کرتے ہیں اور علوم الہیہ کو سن کر ان حضرات کے بدن بے قرار ہو جاتے ہیں اور روٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معرفت کی اصطلاح میں انہی کو متقی کہا جاتا ہے اور کلام الہی سے محبت کرنے والوں کو ایک آگ لگ جاتی ہے۔ جب عارف کی آتش عشق چمکتی ہے تو مریدوں کی روئیں سکون حاصل کر لیتی ہیں اور اس لئے یہ لوگ اللہ کے نائب خود سکون حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کی روئوں کو www.marfat.com پر لکھ دیتے ہیں۔

دیتا ہے۔ عارف کا کلام عارفوں کو سکون دیتا ہے اور جو شخص مرید خاص بن جائے اور پھر یہ چاہے کہ معرفت کا کلام کروں اور اس خیال میں ہو کہ عارفِ حق جو کلام میں اثر رکھتے ہیں وہ اثر سامعین میں پیدا کر دوں تو ان حضرات کو پہلے یہ خیال رکھنا چاہئے کہ وہ اپنا کلام ایک مجمع کو سنارہے ہیں۔ سامعین کی ہمت کے مطابق بیان کیا کریں اور سامعین کی سمجھ کے مطابق الفاظ کو زبان پر لائیں۔ مردِ عارف کا اصلی حق یہ ہے کہ زبانِ حال سے کلام فرمائے اس لئے کہ زبانِ حال زیادہ فصیح ہوا کرتی ہے زبانِ لفظ و سقال سے۔

حکایت میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی مجلس میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے اور سب نے کلام سننے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ پر خوف کی کیفیت طاری تھی۔ آپ کھڑے ہو کر کلام کہنے لگے۔ پہلا کلمہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا اے لوگو! میں نے آگ کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور اس کے شعلے نے میرے جسم کو داغ دیا اور جگر جلنے لگا میں دوڑ کر اپنے آقا کے پاس گیا، جا کر چلایا کہ میرے ہاتھ جل گئے اور میری روح درد سے بے چین ہو کر ختم ہونے لگی ہے۔ اے اللہ رحم کر، اللہ کریم کے دربار میں ہم اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اس طرح کے کلام کا سلسلہ جاری رکھا اور فرمایا کہ آج کا دن میں نے اپنے آپ کو پوری قوم میں روک لیا ہے اور آپ کو صبر کی تلقین کی ہے۔ سامعین نے یہ سن کر رونا شروع کر دیا اور کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور چیختے چلاتے اور روتے ہوئے گر گئے۔ جب یحییٰ بن معاذؒ اپنے ارشادات سے فارغ ہوئے تو سامعین میں سے تیرہ جنازے فوت شدہ لوگوں کے اٹھائے گئے جن میں سے تین تین ہواوت حضرت یحییٰ بن

معاذ کے کلام کے اثر سے واقع ہوئی تھیں اور وہ لوگ وعظ کے اثر سے ہلاک ہوئے۔

حکایت ہے کہ ایک شخص نے یہ ارادہ کیا کہ آج نماز عصر کے بعد حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں جا کر حیا کا سوال کروں گا۔ آپ اپنے گھر میں موجود تھے اور خادم دروازے پر بیٹھا ہوا تھا۔ سائل نے اندر جانے کی اجازت مانگی لیکن خادم نے کہا یہ وقت ملاقات کا نہیں بلکہ یہ وقت حضرت کی عبادت کا ہے۔ اس لئے اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ شیخ اچانک باہر آئے اور خادم کو فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ نہیں کہا تھا کہ اگر کوئی آئے تو روکا نہ کرو۔ خادم نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ سائل اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ تمام مکان آپ کے وجود سے پُر ہے کہ کوئی دوسرا بیٹھ نہ سکتا تھا۔ سائل خوفزدہ ہو کر واپس آ گیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو یہ سائل دوبارہ حاضر ہوا خادم سے اجازت مانگی اور اندر جا کر خلوت خانہ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ آپ کا تمام وجود گلا ہوا ہے اور آپ ایک خیال کی طرح موجود ہیں۔ سائل پر ہیبت طاری ہو گئی لیکن وہ ٹھہر گیا اور آپ سے کچھ کہا۔ دوبارہ وہ خیال قسم کا جسم بھی حرکت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ کا جسم پانی کی طرح ہو چکا تھا اور چند ساعت کے بعد آپ ہوا میں کھڑے تھے۔ وہ سائل نہایت خوفزدہ ہو کر گھبرا گیا اور واپس چلا گیا۔ خادم نے سائل سے پوچھا کہ کیا حالت دیکھی ہے جو تم پر گھبراہٹ نظر آ رہی ہے۔ سائل نے تمام حالات کو بیان کر دیا۔ خادم نے کہا کہ آپ کے سوالوں کے جواب آگے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ دیکھی ہے کہ تمام

مکان آپ کے جسم سے پڑ ہے۔ وہ صرف کسی کو دیکھنے کی حالت ہوا کرتی ہے اور دوسرے دن جو حال تھا بدن تمام پگھلا ہوا وہ حالت آپ کی حیاتھی اور جو پانی آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ ہوا میں ٹھہرا ہوا تھا اور آپ پگھلے ہوئے تھے اور جو باقی حالت تم نے دیکھی یہ تمام خوف ہی کی حالت تھی اور حیا خوف کی حالت کا دوسرا نام ہے۔ یہ سن کر سائل حیران ہو گیا اور عرض کی کہ کیا فصیح زبان سے مسئلہ حل ہو گیا۔ اس طرح کے واقعات کو زبانِ حال کہا جاتا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت لیث مصریؒ کے بھائی تھے اور یہ حضرت اسکندر یہ میں قیام فرماتے۔ جب حضرت لیثؒ ان کے پاس گئے تو انہوں نے سلام کہا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کہاں تھے؟ فرمایا کہ اللہ کریم کی طرف توجہ میں تھا۔ بھائی نے کہا اللہ کے حضور بیٹھ رہنے سے تجھے کیا ملا ہے؟ یہ بات سن کر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔ آپ کے کان میں آواز آئی کہ اے لیث جب بندہ اللہ کی طرف صدق دل اور یقینِ کامل کے ساتھ توجہ کر لیتا ہے تو اس پر جو فوائد نازل ہوتے ہیں وہ صاحبِ حال ہی جانتا ہے کسی دوسرے دل کو اس کی حالت سے خبر نہیں ہوتی بلکہ یہ محال ہے اور عجائبِ کلام کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کان فارغ نہیں ہوتے کہ سننا بند کر دیں اور یاد رکھو! اہل حال درویش کا کلام اللہ کریم کے برستے ہوئے تیر ہوتے ہیں اور جب مردِ حال کا کلام اللہ کے تیر ہیں تو یاد رکھو کہ اللہ کریم کے تیروں کا نشانہ کبھی خطا نہیں جائے گا بلکہ تیر نشانے پر جا کر لگے گا اور ٹھک لگے گا۔

ایک عارف سے یہ سوال کیا گیا کہ انسان کب بولنے والا ہوتا ہے اور کب خاموش ہوتا ہے اور کب انسان حاضر ہوتا ہے اور کب گم ہوتا ہے اور کب انسان غائب ہوتا ہے اور کب موجود ہوتا ہے۔ فرمایا انسان جب اللہ کے لئے حق کے ساتھ کوئی بات کہتا ہے تو انسان ناطق یعنی بولنے والا ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حق کے سوا کلام کرتے وقت گونگا ہو جائے اور جب انسان کا دل اس مرتبہ پر ہو کہ وارداتِ قلبی قلب پر شروع ہو جائیں تو اس وقت انسان غائب ہو جاتا ہے اور حق کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے اور جب اسرارِ الہیہ کا وجود اپنی ذات میں حاصل ہو جائے اور یہ مرد عارف ہو جائے اور زبان خاموش رہنے لگے اور حال خود بیان کرنے لگے اور عارف کو زبانِ حال مل جائے اور زبانِ حال زیادہ فصیح ہوا کرتی ہے وہ زبانِ سقال ہے اور مقال یہ کہا کرے کہ ہمیں عارفوں کو حالات کا علم نہیں تو یہ شخص اپنے حال میں ہی کلامِ معرفت کرنے والا ہوتا ہے۔

ایک عارف سے عرض کیا گیا کہ آپ کا کیا حال ہے جبکہ آپ حال پر بولتے ہیں۔ فرمایا اگر عارف اپنا حال بیان کرے تو ہلاک ہو جاتا ہے اور جب حال بیان نہ کرے اور خاموش رہے تو اپنے آپ کو جلا لیتا ہے۔ عارف کو کہا گیا کہ جب اللہ کے متعلق آپ سے سوال کیا جائے تو آپ کا جواب زبانِ حال سے دیتے ہیں یا زبانِ قال سے۔ فرمایا زبانِ قال سے زبانِ حال زیادہ بہتر ہوا کرتی ہے۔

ایک عارف سے سوال ہوا کہ انسان کب اللہ کریم کو حاصل کر لیتا ہے اور مرد کو کب صاحبِ حال کہا جاتا ہے۔ فرمایا جب مال طاری ہو جائے

جب اللہ کے ساتھ وقت بہتر ہو اور صحیح ہو تو عارف کی تمام زبان فصیح ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ کریم نے تمام عارفوں کو ہر طرح کی زبانیں عطا فرمائی ہیں۔ یہاں تک کہ جس بولی میں بولنا چاہیں بول سکتے ہیں زبانِ شریعت، زبانِ طریقت، زبانِ معرفت اور عارف کے پاس زبانِ فقر اور زبانِ فخر بھی ہوتی ہے۔ عارف کبھی بے زبان ہوتا ہے اور اللہ کی معرفت کو حاصل کرنے میں کبھی صفات میں گم ہو جاتا ہے اور کبھی ذات میں فنا ہوتا ہے۔ عارف اول اللہ کی ذات اور صفحات کو تلاش کرتا ہے اور اس مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے کہ عبدنا طلق کہلائے اور بولنے کے وقت عبدنا ساکت کہلائے حاضر و غائب وغیرہ کے طریق پر کلام کرتا رہے اور عارف کا یہ حق ہے کہ کلام کو پہچانے اور مقام کلام کا خیال رکھے اور کلام سننے والوں کی حالت کا خیال کرے اور یہ خیال رکھے کہ ہر جگہ کا کلام اور طریق گفتگو کا اسلوب الگ الگ ہوتا ہے اور ہر بولی کو سمجھنے کے لئے الگ الگ الفاظ ہوتے ہیں اور ہر کلام کے اہل ہوتے ہیں اور سامعین کی طاقت کے مطابق جو جماعت جس کلام کی اہل ہو وہ کلام اس سے کیا جائے اور حاجت سے زیادہ کلام نہ کرے اور اہل حاجت ان کی طلب سے محروم نہ رکھا جائے۔ اس لئے کہ طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا ظلم ہے اور اہل حاجت کی حاجت روائی نہ کرنا بخلی ہے جہاں تک ممکن ہو علم کی اشاعت کی جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے ایک حکیم سے ارشاد

فرمایا اے صاحب حکمت تو اس طبیب کی طرح ہو جا جو دوا کے ساتھ ساتھ نصیحتیں کرتا ہے اور دوا دہا کر دیتا ہے اور دوا کو وہاں لگایا جاتا

کی زبان استعمال کی جائے۔ اسی طرح ہر گروہ کی شان کے مطابق کلام کیا جائے مثال کے طور پر فقہاء کے ساتھ فقہی طریق پر، آداب والوں کے ساتھ ادب والا کلام کیا جائے۔ یعنی کلام کرنے میں سامع کے علم و فضل اور مرتبہ و مقام کا خاص خیال رکھا جائے۔ اب آپ پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آپ حضرات کو اپنے کلام کا مرتبہ ملحوظ رکھنا لازم ہے اور کلام سامع کے مرتبہ پر کیا جائے اور ہر شخص کی منزل کو سامنے رکھ کر کلام کیا جائے اور یاد رکھیں کہ وہ راز جو آپ کے اور آپ کے محبوب کے درمیان ہے وہ کبھی فاش نہ کریں۔ یہ دونوں طرف لازمی ہے کہ محبت اور محبوب دونوں راز کو کسی پر ہرگز بیان نہ کریں۔ محبت اور محبوب میں راز فاش کرنے سے شرمندگی اٹھائے گا اور راز محبت کو کسی دوسرے پر واقف کرنے والا اپنے لئے گمراہی اور دائمی عذاب کو دعوت دینے والا ہوتا ہے اور موجب سزا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت ذوالنون مصریٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک سیاہ رنگ کے آدمی کو دیکھا کہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے اور انٹ، انٹ، ٹو ہے، ٹو ہے، بہت دفعہ کہہ کر اور کوئی لفظ کہتا ہے جس کی سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ کیا لفظ کہہ رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں قریب چلا گیا تا کہ وہ لفظ سُن سکوں جو مخفی طریقہ پر کہتا ہے لیکن وہ سمجھ نہ سکے تو حبشی جوان سے کہا وہ کیا بات ہے جس کو تم مخفی طریقہ سے کہتے ہو۔ وہ حبشی کہنے لگا کہ دو محبت کرنے والوں کی بعض باتیں راز والی ہوتی ہیں جن کو فاش نہیں کیا جاتا اور جب زبان سے بیان کرنا ناممکن ہے تو قلم اور کاغذ اور خط میں بھی ان باتوں کو، مجیدوں کو، بیان کرنا گناہ ہے اور محبت کرنے والوں میں حکایت

ہوتی ہے اور وہ کلام ہے، وہ کلام برّ ہے جو محبت کے اظہار کا سبب ہوتا ہے وہ کلام جو بطریق برّ ہو اس کلام میں نور کی آمیزش ہوتی ہے اور اس کی خبر انہی حضرات کو ہوتی ہے۔ میں نے کہا آپ مردِ عارف ہیں کچھ اور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ ایسے ہی دلوں کو امانتیں دی جاتی ہیں اور امانتوں سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں اور اسرار بہترین امانتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جو عارفین کے پاس رکھی جاتی ہیں۔

حضرت عارف کامل ابوالقاسم جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں اے اللہ والوں کے گروہ یاد رکھو! جلیل القدر ولیوں و امانانِ معرفت کے کلام ان کی ہمتوں کے مطابق ہوتے ہیں اور ان بزرگوں کے کلام میں اس قدر فرق کرنے کی ضرورت ہے کہ اتصال (ملنے) اور انفصال (جدا ہونے) کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے اور ان باتوں کا احساس ہو جائے جو اسباب اللہ کے ساتھ مشغول کرنے والے ہیں اور وہ اسباب جو اللہ کریم سے دور کرنے والے ہیں اور کون سے افراد اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور کون کون سے اسباب عرفان کی طرف اس طرح پہنچانے والے ہیں کہ ان میں پہچان ہو اور اسرار کا مشاہدہ کیا جائے اور وہ خواہشات جو حق کے قریب جانے میں رکاوٹ اور پردے بن گئے ہوں اور ان پردوں کا کشف ہو کر حق کو ملاحظہ کر لیا جائے اور وہ معاملہ جو بندۂ مومن کی ابتداء میں شروع ہوا تھا اس میں صفاءِ حال اور صحتِ ادب حاصل ہو جائے اور کامل طور پر اللہ کریم کی جانب تمام کائنات کو چھوڑ کر چلا جائے اور کامل ارادہ سے دل کے معاملہ معرفت کی طرف لگا دے اور معرفت حاصل کرے اس کے فضل کے بغیر نہیں

آسکتا اور نہ اسباب کی معرفت سے ہو سکتی ہے جو اس کی طرف مشغول کر دیں اور نہ معرفتِ داعی کی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ اس چیز کی معرفت حاصل نہ ہو جس کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اس طرح دل پر امواجِ عرفان کا ظہور ضمیر کی کیفیتِ ہیجان جو دل کے دوسوں سے شروع ہوتے ہوئے ہر چیز پر قبضہ کر لیتی ہے۔ تفکرات سے کتنی موجیں اٹھیں قلب و روح پر کیسا اثر ڈالتی رہیں کوئی شخص نہیں گن سکتا اور جو آپ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ بلکہ یہ حالت ہونی چاہئے کہ عبادت کے معنی کو جان لینے تک جو ذہن میں حسن و لطافت پیدا ہوتی ہے وہ بھی باقی نہ رہے اور اگر کوئی عالم اسرارِ غیب کو بیان کرنے والا ہو اور وہ شرح و تفصیل سے بیان کرے، پر لطف عبادت کے ساتھ ایک خاص طرح کا اندازِ بیاں پایا جاتا ہو اور ساتھ ساتھ جہاں بیان میں تفصیل کا پہلو پایا جائے اور سامعین کا لطف اندوز ہونا لازمی ہوتا ہے اور بیان میں لطافت، اسرار کی شرع کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور محبت و محبوب کے درمیان جس قدر دوری اور حجاب ہو اور عارف ان حقائق کو بیان کرے اور حجابات کو اٹھانا چاہے اور طالب کو ان اسرار کا تفصیلی دیدار ہو جائے اور قلبِ رویت پر مطمئن پایا جائے اور راہِ تصوف میں جس قدر اسرار کے کھلنے کی ضرورت ہو وہ طالب پر کھلتے جائیں تو معرفت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے گا۔ عارف انہی باتوں کو بیان کرے گا جس کو اس نے عالمِ مکاشفہ میں دیکھا ہے اور ”اول ہوں یا آخر“ اہل ہمت کا مقصود یہی ہوا کرتا ہے کہ ”علم از غیب پردہ آئید“ اور جب عارف مردِ حق آگاہ اپنا منہ کھولتا ہے اس کا نام www.marfat.com سننے والوں کو

عارف وہی باتیں سنائے گا جن کو ہم نے عبادت سے بیان کیا ہے اور شرح کر دی ہے۔

لیکن عارف کو یہ تمام علوم مشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں اور خوش نصیب حضرت عارف کے کلام کو سننے والو! غنیمت جانو اور خوب پہچانو کہ مرد عارف کیا بیان فرما رہا ہے اور اس کا یقین کر لو کہ یہ عبادت جس کو مرد عارف بیان کرتا ہے شرف و بزرگی کا کلام عبادت ہوتا ہے۔ عارف کے کام کی شرافت اس بناء پر ہے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے ودیعت و امانت تھی جس کا اظہار کیا جا رہا ہے اور اہل معرفت کے قلوب اسرار الہی کے حامل ہوتے ہیں، علم الہی کے امانت دار ہوتے ہیں اور جو کلام فرماتے ہیں وہ اللہ کے امر سے ہوتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ وہ تمام دل جن کا ارادہ اللہ کی طرف ہو جاتا ہے وہ دل اللہ ہی کے ہو جاتے ہیں تو اللہ کریم پھر ان دلوں کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

ابوسلیمان خواہیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کریم عارفوں کو اس طرح آزاد کر دیتا ہے کہ کوئی کسی کی طرف توجہ نہیں دے سکتا اور اگر بعض اہل اللہ اس طرح دیکھیں کہ نظارہ قلوب حاصل ہو تو اس طرح کے عجائبات کا نظارہ کریں کہ ان کا بیان کرنا ناممکن ہو جائے یعنی ہر دل پر واردات معنی الگ ہیں۔ کسی پر جلالت نازل ہو رہی ہے اور کسی پر جمالی کرنیں پڑ رہی ہیں۔

جو لوگ بلند ہمت تھے اور صفات کا علم رکھتے ہیں وہ اپنی ہمتیں مانہ کر اللہ تعالیٰ کا عارف بن کر اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ لگا لیتے ہیں۔

جانب جھک گئے اور خواہشات میں لگ گئے اور اللہ کی طرف سے غافل ہو گئے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سفر میں بہت سے صاحبانِ حکمت سے ملاقات کی ہے لیکن میں نے تمام جگہوں کو حکمت سے خالی پایا۔ ان کی حکمت کی بنیاد دوسروں کی عقل سے روشن ہیں کہ کبھی کسی کی عقل کا تھیلا کھولا اور کبھی کسی کی عقل کا تھیلا لے کر اس میں سے کوئی بات پُرائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ جن مومنین کو اللہ کی جانب ہمت کر کے جانا ہوتا ہے وہ مجالسِ معرفت میں آتے ہیں اور یہ کام مومن آپس میں بیٹھ کر مل جاتے ہیں اور اللہ کی ذات میں گم ہوتے ہیں اور اللہ کو پالیتے ہیں اور اللہ کے ساتھ رہنے کا ذکر کرتے ہیں اور معرفت سن کر اپنے دلوں کو پاکیزہ کر لیتے ہیں۔ جب یہ مجلس کے لوگ اُٹھتے ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ مزید نعمتوں کو لے جاؤ یعنی القاءِ ربانی کا ظہور اور یہ حقیقت ہے کہ اولیاء اللہ کا کلام معرفت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

کلام اہل المعرفة کنزاً من کنوز المعرفة

کلام معرفت ہدایت ہے اور عارفوں کے دل ان خزانوں کے مالک ہیں اور عارفوں کی زبانیں ان خزانوں کی ترجمان ہوتی ہیں اور اللہ کریم نے معرفت رکھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ ان خزانوں کو خرچ کر دو اور علم کے خزانے ان کے اہل تک پہنچا دو۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنیة

ابوالقاسم حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بندے تو

اپنے کو اللہ کریم کے سپرد کر دے اور اپنے فکر سے بچ جا اور جب تو اپنے آپ کو اللہ کی جانب کھینچ لے گا تو تیرا دل حکمت کا مالک بن جائے گا اور تیرے دل کو حکمت الہیہ حاصل ہوگی۔ اس حکمت کو قرآن کریم نے خیر کثیر فرمایا ہے اور بعض عارفوں کے خطبوں میں یہ ارشاد ہم نے بار بار سنا ہے!

سبحان من زین قلوب المریدین بنور معرفتہ
وسقاہم من شراب محبتہ و نورہا بمصابیح
حکمتہ وانطق لسانہم اللہ باشاراتہ۔

”بے عیب ہے وہ اللہ کریم جس نے اپنی طرف آنے والے مریدوں کے دلوں کو نور معرفت سے مزین فرمایا اور اپنی محبت کی مست کرنے والے شراب سے ان کے دلوں کو نورانیت عطا فرمادی ہے اور حکمت کے چراغ روشن فرما کر ان کی زبانوں کو اللہ تعالیٰ نے معرفت کے اشاروں سے متکلم کر دیا۔“

پاک ہے وہ ذات تمام عیبوں سے جس نے خوبصورت کر دیا اور مزین بنا دیا اپنے مریدوں کو نور معرفت سے شراب محبت پلا کر مست کر دیا اور حکمت کے چراغ جلا کر ان کے دلوں کو روشن بنا دیا اور ان کی زبانوں کو اللہ تعالیٰ نے اشارات کا علم عنایت فرمایا اور اس راز کو جو اشاروں میں بیان کر دیا ہے وہی سمجھ سکتا ہے جو اپنے کانوں کو باطل کی باتیں سننے سے بہرہ کر لے اور اپنی آنکھوں کو اندھا بنا لے، شبوتوں اور فضول باتوں کے کرنے سے

اپنی زبان کا آئینہ

marfat.com

Marfat.com

قلوب اهل المعرفة خزانة الله في ارضيه

”یعنی اللہ کے عارف بندے اللہ کی زمین میں اللہ کے

خزانے ہیں اور اسرار کے امانت دار ہیں۔“

لائقِ حکمت ہیں اور محبت کے حقائق میں اور علمِ الہی صورتِ نوری

ہیں، جامع وجود کے مالک ہیں، انہی سے حقائقِ ربانی ظاہر ہوتے ہیں۔

یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ دل کی مثال دیگ کے ساتھ ہے جس

میں چیزیں پکائی جاتی ہیں اور زبان اس دیگ کے منہ کی طرح ہے جو معارفِ قلبی ہو بیان کرتی ہیں، ہر زبان دل کی واقف ہے۔

حضرت ابو حامدؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی عام لوگوں سے وہ کلام

نہیں کیا جس میں عوام کو اللہ کی طرف دعوت نہ دی جاتی ہو۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سے کوئی کلام

نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر کلام کیا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں جو شخص اس بات پر جم گیا کہ وہ سچ

کہے گا اور عبدیت میں سچا ہو کر رہے گا اور کسی دوسرے سے تعلق نہیں رکھے گا

تو اللہ کریم اس کو مقامِ صدق میں داخل فرمائے گا۔ ان حضرات کی تعریف

اللہ کریم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے!

مقعد صدق عند علیک المقنن

”عارف اللہ کی بیٹھک میں مالکِ قوت والے کے ساتھ

بیٹھتے ہیں۔“

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کہ یہ الفاظ گاہ میں حاضر ہوتا

ہے تو ہمت کی آنکھ کھولتا ہے اور قوت کے ساتھ ارادہ کی صداقت کے ساتھ سلامتی کو تلاش کرتا ہے۔ معرفت میں تفرید کی سیاہی آنکھوں میں بھر لاتا ہے اور تجرید کی سفیدی کو جمع کر کے اور بصیرت حاصل کر کے نور یقین کے ساتھ وہ دیکھتا ہے تو پھر اللہ کی معرفت بلا شک و شبہ حاصل ہو جائے گا۔

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی فرماتے ہیں اے اللہ والو خوب جان لو دیدار کی دو قسمیں ہیں۔

اول: دل کا دیکھنا ہے یقین کہ مشاہدے سے۔

دوئم: اور آنکھ کا دیکھنا ہے ظاہر کے مشاہدہ پر۔ یہ وہ بات ہے جس کے متعلق حضرت سیدنا جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی نے سوال کیا اہل رایت اللہ کیا آپ نے اللہ کو دیکھا ہے جبکہ یہ ہے لاسدر کہ الابصار (اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی) کا ارشاد گرامی ہو چکا ہے کہ آنکھیں اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ آنکھ کے دیکھنے کو ہی دیکھنا کہا جائے گا ہم نے دل کی آنکھوں اور یقین کی بصیرتوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور عام لوگ ہوش و حواس کے ذریعہ سے دیکھنے کو لازمی سمجھتے ہیں۔

خوب جان لو! کہ دل جب یقین محکم کے ساتھ اللہ کی طرف دیکھتا ہے اور معرفت حاصل کر لیتا ہے تو اس کو کسی دوسرے طریقہ کی روایت کی ضرورت نہیں رہتی اور صفاتِ انسانیت جب ختم کر دیا جائے باوجود اس کے انسان انسان ہی ہوتا ہے جس طرح کہ حالتِ نماز میں احسان کو دیکھتا ہے حالانکہ یہ عمل کو ساقط کر دے۔

ساقط کر دیا جائے تو صرف معرفت باقی رہ جاتی ہے اور کبھی حق بولنے کے مقابلہ پر فصیح انسان کی زبان خاموش ہو جاتی ہے اور غلبہ حق اس پر واضح ہو جاتا ہے اور اس کے سوا معرفت ساقط ہو جاتی ہے اور یہ صفت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو حق کے ہاں حاضر ہو اور باقی ہر چیز سے غائب ہو جائے اور اللہ کے قریب ہو جائے اور باقی ہر چیز سے دور ہو جائے اس طرح اللہ کریم کے حقائق زبان سے کھولے اور بیان کرے باقی ہر بیان اس بیان کے سامنے خاموش ہو جائے گا۔

اللہ کے مردِ عارف کو علامات سے پہچانا جائے گا اور عارف کی علامات یہ ہیں کہ ان کو اللہ کا علم حاصل ہو جائے۔ علم کے بعد خالص اس کا ہو جائے اور اللہ سے اللہ کو طلب کرے کہیں اللہ سے غیر اللہ کو طلب نہ کرنے لگ جائے اور یہ وہ کلام ہے جس کو اکثر علماء باللہ نے بیان کیا ہے۔

حکایت ہے کسی عارف نے فرمایا ہے کہ میں حج کرنے کو حاضر ہوا تو بیت اللہ شریف میں ایک نوجوان کو دیکھا جو اللہ کریم سے اس طرح دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ کئی وفد دور دور سے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں تو ان کو خوب جانتا ہے تو ہی تو ان کا بنانے والا ہے۔ جوان نے سنا کہ ایک ہاتھ آواز دے رہا تھا۔ فدا ہونے والے اور میری طلب کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔ یہ آواز سن کر اس نوجوان نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے خادم سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن حضرت شیخ سے سنا کہ فرمانے لگے میں نے خواب میں رب العزت کو

قدر تھوڑے ہیں کہ آج سوائے بازید کے کوئی میرا عارف صادق طلبگار نہیں اور اس کے سوا کوئی میرا ارادہ کرنے والا نہیں۔ اس لئے میرا ارادہ بازید کو طلب کرنے کا ہے۔

فرمایا یوسفؑ نے کہاں ہے وہ گروہ جن کو آج تک نہیں دیکھا تھا۔ فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کی حرکات و سکنات صرف اللہ کے لئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے ان کو نہیں پہچانا اور جو شخص اپنی حرکات و سکنات کو اللہ کریم کے لئے نہیں کرتا وہ کبھی بھی عارف نہیں ہو سکتا اور جو اللہ کا عارف ہو کر پھر اپنے دل میں غیر اللہ کو جگہ دے رکھے وہ کبھی عارف نہیں ہو سکتا۔

حکایت ہے ایک عارف سے کسی نے کہا کہ آپ کا حال کیا ہے؟ فرمایا اس کا کیا حال ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ اللہ تو غائب ہے اور بے خبر ہے حالانکہ اللہ اس کے ساتھ موجود ہے اور باخبر ہے۔ کچھ اشارے ہیں اور کچھ عبارتیں ہیں جن کو اہل صفاء کے سوا کوئی واقف نہیں ہو سکتا۔ اس کا باطن گرد و غبار بشری سے پاک ہوتا ہے اور اس کے ماسواہ کل مٹ جاتے ہیں اور یہ حضرات صفات سے پاک ہو کر مجرد اللہ کے لئے رہ جاتے ہیں اور ہمیں اپنے بزرگوں کے بلند مقام کا علم ہے لیکن اپنے علم میں نقص کا علم نہ ہوتا تو ہم بیان کرتے۔ اہل ہمت افراد کا ذکر کرنا کس قدر عظمت والا ہے اور عظمت والے کا ذکر بھی بلند ہی ہوتا ہے۔ عارف کا ذکر کرنے میں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ حضرات تحقیق کے دائرہ کے امام ہوتے ہیں اور اپنی فطری کمالات کی بناء پر حکمت کو پانے والے ہوتے ہیں۔

ابوالقاسم حضرت جنید بغدادیؒ کے فرمایا اللہ والو سنو! بازید

بسطامیؒ اللہ کی آیتوں میں (نشانوں میں) ایک آیت (نشانی) ہیں۔ میں نے بزرگانِ معرفت اور اہل ہمت کی کتابوں میں غور و فکر کیا ہے اور گزشتہ زمانہ کے علمائے دین اور امامانِ ہدایت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور معرفت کے لئے جن باتوں کی حاجت تھی میں ان کو مطالعہ میں لایا ہوں اور اس مطالعہ کثیر کی وجہ یہ تھی کہ!

لان مطالعة کلامیہ مصابیح المعرفة وروح الیقین۔
 ”اہل معرفت بزرگانِ عظام کے کلام کا مطالعہ کرنا روح کو یقین دیتا ہے اور ان کے کلام معرفت کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتے ہیں۔“

اور ان بزرگوں کا کلام صفاءِ چشمہ کی طرح ہوتا ہے جو پیاسوں کو سیراب کرتا ہے اور ان کا کلام محبت کا دریا ہوتا ہے اور توحید کے خزانے ہوتے ہیں اور تفرید کا سامان۔

جس قدر علمائے معرفت کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اللہ کی توفیق سے اطلاع ہوئی ہے اور حقائقِ کلامِ عرفا پر واقفیت حاصل کی ہے اور ان کا مطالعہ کیا ہے تو میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اللہ کی تمام مخلوق میں یہ لوگ پیاری اولاد کی طرح ہیں اور تمام مخلوق سے زیادہ افضل اور خاص ہیں ان تمام عارفوں کی جماعت میں جو موجودہ دور میں ہے اور جو تمام پہلے گزرے ہیں ان تمام میں بایزیدِ بسطامیؒ افضل و اعلیٰ ہیں اور برگزیدہ ہیں۔ الحمد للہ، اللہ کی تعریف کرتے ہیں جس طرح وہ تعریف کا مستحق ہے۔

بایزیدِ بسطامیؒ کے ایک خادم تھے وہ جان کہتے ہیں کہ ایک شخص

آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس اسم اعظم ہے۔ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے اسم اعظم سکھا دیں۔ اسم اعظم حاصل کرنے سے مجھے محبت ہے۔ حضرت نے فرمایا اللہ کے تمام اسماء اسم اعظم ہیں اور تمام اسماء میں کوئی تقسیم و حد مقرر نہیں۔ یعنی اعلیٰ، ادنیٰ، اعظم، اصغر میں تقسیم نہیں لیکن تیرا دل متقی ہونا چاہئے اور تو خدا کے مقابل شرک کرنے سے رک جائے اور وصل کے مرتبہ سے واقف ہو جائے۔ اگر یہ مقام تجھے حاصل ہو جائے تو پھر تو اُڑتا پھر جہاں چاہے تو ایک ساعت میں مشرق سے مغرب تک پرواز کر سکے گا اور مردوں کو زندہ کر سکے گا اور مار سکے گا، قدرت کا مالک ہوگا۔ سائل کی زبان سے سُبْحَانَ اللّٰهِ كَالْفَرْقَلِیْنِ اور کہنے لگا واقعی اس طرح ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں اہل ہمت کے نزدیک اسم اعظم کا حصول کوئی مشکل نہیں اور اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے سوا تمام ممکنات اور سارے جہاں خود کلمہ میں اللہ کی عزت والی کلام ہے لیکن اللہ کے وہ ہمت والے بندے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے کوئی بات کہہ دیں تو ہو جائے۔ یہاں تک کہ عرشِ مولیٰ کے نیچے سے لے کر تمام کائنات ان کی ہمتوں کے ماتحت ہوتی ہے۔ سائل نے کہا کون ہے جو اس مقام کا پایا جائے (یعنی مردوں کو زندہ کرے، زندوں کو مار دے، کائنات پر حکومت کرے؟)۔

فرمایا جو شخص مقام وصل کو حاصل کرے اور اللہ کریم کا مقرب ہو جائے تو اس کو یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے۔

حکایت ہے کہ ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے اللہ پروردگار! میں نے تمہارے اسم اعظم پر فائز فرمایا ہے کہ تمام

جہانوں میں کسی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ کونسا مقام ہے؟ سائل نے کہا عرشِ اعظم کے سوا اللہ نے ہر چیز کو میرا فرمانبردار کر دیا ہے اور عرش سے لے کر تختِ العزلیٰ تک مسخر کر دیا ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے ارشاد فرمایا اے مسکین آدمی کس خیال میں چلا گیا ہے یہ جو تو نے بیان کیا ہے یہ تو معرفت حاصل کرنے والوں کے لئے ایک ادنیٰ سی چیز کا ملنا ہے اور اگر تمام کے تمام آسمان تیرے مقام پر آجائیں اور ہر شخص کو یہ تمام نعمتیں دی جائیں جو تجھے دی گئی ہیں تو اللہ کے خزانے میں کیا نقصان آسکتا ہے۔

جو کمال عارف کو حاصل ہو جاتا ہے وہ اگر اس مقدر پر ہو جو تجھے حاصل ہو گیا ہے تو یہ شخص معرفت میں ناقص ہے۔ یہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندے اب چلا جا تجھے اجازت ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ شریف میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک آدمی کے اردگرد بڑا لوگوں کا مجمع لگا ہوا ہے۔ وہ صاحبِ خاموش ہیں۔ جب ان کی طرف دیکھتے ہیں تو رونے لگ جاتے ہیں۔ یہ تمام لوگ دُعا کرانے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو دیکھ کر وہ بزرگ فرمانے لگے اگر یہ مخلوق اللہ کو جان لیتی اور معرفت کو حاصل کر لیتی تو اللہ کے ساتھ اس قدر غنی ہوتی کہ دُنیا میں کسی دوسرے کی محتاج نہ ہوتی اور نہ میرے پاس آ کر یوں کھڑی ہوتی۔ یہ فرما کر آپ نے دُعا فرمائی!

ان تحجین عنک بہم اللہم انی اعوذبک من

واعوذبک من

”اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ میں حجابات میں آ جاؤں تیری معرفت سے ان کی وجہ پر یہ بھی پناہ پکڑتا ہوں کہ میں ان لوگوں کے لئے حجاب بن جاؤں۔“

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ آپ نے حج فرمایا اور کعبہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور حجر اسود شریف کو سلام پیش کیا اور مقام ابراہیم علیہ السلام پر تشریف لائے اور دُعا کرنے لگے یا الہی کتنے بندے تیرے حجاب میں ہیں لیکن جو تیرے ہیں تو ان کے حق میں حجاب دور فرما۔ آواز آئی اے بایزید کوئی حجاب اور پردہ نہیں ہے جس طرح کہ بدن اور روح کے درمیان کوئی حجاب نہیں، میرے بندوں اور میرے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ بایزید بسطامیؒ یہ بات سن کر رونے لگے (یعنی میرے اعضاء، کو مجھ سے حجاب نہیں) اور عرض کرنے لگے کہ تجھ سے تیرے بندے صاف عرض کرتے ہیں کہ تو اپنے سے حجاب دور کر دے یہ کہہ کر بایزید بسطامیؒ پھر رونے لگے۔ اتنا روئے کہ دونوں آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔

حکایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں بایزیدؒ پر اس طرح کیفیت مقامِ حال میں طاری ہو گئی کہ آپ چیختے تھے اور چیخ بھی نہایت سخت تھی۔ میری یہ حالت تھی کہ شاید میرا دل پھٹ جائے گا۔ میں بوجہ خوف و ڈر کے آپ کی خدمت میں تین دن تک کچھ عرض نہ کر سکا۔ تین دن کے بعد میں نے عرض کیا۔ اے آقا میں نے تو عجیب چیز کو آپ سے سنا تھا۔ فرمایا وہ کیا عجیب چیز ہے جس کا خوف تجھ پر نظر آ رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے جو بات فرمائی ہے اس کی وجہ سے میرا دل

پھٹنے لگا تھا اور میرا خیال تھا کہ اس ساعت وہ تمام حجاب جو آپ کے اور خدا کے درمیان تھے وہ دور ہو گئے ہیں یا آپ کی آہ سے جل کر خاک ہو گئے ہیں۔ عارفِ حق بایزید بسطامیؒ فرمانے لگے کہ سخت درد کی چیخ اس وقت اٹھتی ہے جب اللہ تعالیٰ اور عارف کے درمیان سے تمام حجاب ہٹ جاتے ہیں یعنی جب مردِ عارف کے دل کی آواز اٹھتی ہے تو اس وقت حق اور عارف کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا وہ جل جاتے ہیں اور عارف کے لئے اس مقام سے زیادہ کوئی عجیب مقام نہیں ہوتا کہ حجاب ختم ہو جائے اور وصل حاصل ہو جائے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کی صورت میں بڑے بڑے عالم اور عارف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کرنے لگے آپ اپنا کوئی خواب بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن خواب میں دیکھا کہ میں آسمان پر اٹھایا گیا ہوں اور ہر آسمان پر فرشتوں کی ایک جماعت میرے ساتھ ہو جاتی ہے اور ہر جماعت یہ سوال کرتی ہے کہ اے بایزیدؒ آپ کب تک اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے اور کیا موت تک اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ میں نے کہا مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میرا فکر اللہ کو چھوڑ کر ابدیت کو یاد کرے یا ذکر کے لئے کوئی حد مقرر کروں اور ذکر کے لئے کتنی کا اہتمام کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے کہ فاذکرو اللہ ذکراً کثیراً کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ یہ سن کر فرشتے رونے لگے اور سوال کرنے لگے کہ اے بایزیدؒ یہ تو بتا دیجئے کہ آپ کو ذکر کرنے والی زبان کب چلی تھی۔ میں نے کہا کہ جب جنت کے طلبگار جنت

کی طلب کرنے لگے اور دوزخی دوزخ سے ڈرنے لگے اور حاکم حقیقی انعام کرنے پر اُترا ہوا تھا اور عادل عدل کر رہا تھا تو میں نے ہر طرف سے اپنی ذات کو ہٹا کر منعم حقیقی کے روبرو کھڑا کر دیا اور ابدی ازلی طریقہ پر اللہ، اللہ، اللہ کہنے لگا اور تمام تعلقات دنیاوی تمام اسباب اخروی سے بے نیاز ہو گیا۔ تمام سائل رونے لگے اور کہنے لگے اور زیادہ بیان فرمائیں، اے بایزید آپ اپنا خواب اور بیان فرمائیں اور تفصیل سے حالات بیان کریں۔

آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک ایسے مقام پر حاضر ہوں جہاں میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں اللہ کریم نہایت شفقت سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے بایزید مانگ لے کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا اے میرے اللہ مجھ پر اپنا کرم فرما، میرا ارادہ تو ہے اور میری مراد بھی تو ہے اور سوا تیرے نہ کوئی مراد اور نہ کوئی میرا ارادہ ہے۔ اس حالت میں میں نے دیکھا کہ میرے لئے ایک عظیم دسترخوان بچھایا گیا اور طرح طرح کے کھانے اور دوسری نعمتیں بھی لا کر رکھی گئیں اور ایک فرشتہ کہتا ہے کہ یہ تمام چیزیں آپ کے لئے ہیں ان کو کھائیں، ایسی چیزیں آپ نے آج تک نہ کھائیں ہوں گی۔ یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور دسترخوان پر رکھی ہوئی نعمتوں کو دیکھنا چھوڑ دیا اور دل میں خیال آیا کہ اللہ کریم میرا امتحان لے رہا ہے اور یہ خیال جلالتِ البیہ کے سامنے اور یہ کھانا شانِ جلالت کے خلاف ہے۔ میں نے عرض کی کہ میرا اللہ کریم پاک اور بے عیب ہے اور اے اللہ میری مراد اس بارگاہ میں دسترخوان پر کھانا کھانے کی نہیں بلکہ میری مراد فقط تیری ذات پاک ہے اور اللہ کریم میرا دوست تیری بارگاہ

میں حاضر ہے۔ باقی تمام دوستوں نے اپنی اپنی مرادیں تجھ سے طلب کر لیں ہیں تو نے دُعا قبول کرنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کسی نے معافی مانگی تو نے معاف کیا، کسی نے رحمت مانگی تو نے اس کو رحمت دی، کسی نے اور چیز مانگی تو نے وہ چیز دے دی وہ راضی ہو کر تیری بارگاہ سے چلے گئے اور تو نے جناب مقدس سے احسان فرمایا اور سلامتی و کرم نوازی سے نوازا۔ اے اللہ اگر تو مجھ پر کرم و احسان کرنا چاہتا ہے تو تمام حجابات کو ذور فرما کر تو جس طرح اپنی اصلی حقیقت رکھتا ہے یعنی ازلی اور عالم کے وجود سے پہلے کی مجھے وہ دیکھا دے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرا امتحان لیا کہ اگر یہ آسمانوں یا زمینوں پر ڈال دیا جاتا تو وہ کبھی قائم نہ رہتے۔ یہ بیان فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ سامعین کی جماعت نے عرض کیا کیا مخلوق کے متعلق کوئی مکاشفہ ہوا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ایک دفعہ عالم خواب میں میں نے اولاد آدم کو دیکھا اور ان میں سے اکثر کو میں نے قلیل ہمت میں دیکھا یہ دیکھ کر میں شرمایا اور دل میں وعدہ کیا کہ اس ضعیف مخلوق کے پاس کبھی اپنی حاجت کو لے کر نہ جاؤں گا۔

یہ باتیں سن کر اکابرین امت کی جماعت اُنھی ان پر رُعب طاری تھا اور یہ لوگ کہہ رہے تھے واہ واہ یہ شخص کس قدر عالی ہمت کے مالک ہیں۔ ایک دفعہ بایزید بسطامیؒ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر کے سامنے بیٹھ کر خطبہ سننے لگے۔ خطیب منبر پر بیٹھ کر عرض کرنے لگا اے میرے آقا میری امداد فرمانا۔ آپ نے اپنی نظر کرم سے دیکھا خطیب کی زبان پر یہ آیت کریمہ جاری ہو گئی!

”اور جو اللہ کی شان تھی اس کو لوگوں نے نہیں پہچانا۔“

خطیب جب یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے تو حضرت بایزید بسطامیؒ پر اللہ کریم کے اس ارشاد کی اس قدر ہیبت طاری ہو گئی کہ آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔

ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامیؒ سے سوال کیا کہ کوئی ایسی چیز فرمائیں جس کی وجہ سے عبادت کرنے پر ہمیشگی حاصل ہو جائے۔ فرمایا اللہ کی معرفت حاصل کر کہ تو اس کا ہے اور جب یہ بات تو پہچان لے گا تو تجھ پر واضح ہو جائے گا کہ عارف کی یہ پہلی منزل ہے اور عارف کا پہلا حق یہ ہے۔ یہ بھی پہچان لے کہ اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں۔ جب یہ علم پختہ ہو جائے تو پھر اپنا تمام شغل اس کے ساتھ کر لے اور باقی ہر شغل کو چھوڑ دے۔ جب پوری توجہ اللہ کی طرف ہو جائے گی تو ہر چیز تیرے قبضے میں ہوگی جب تیرا ارادہ کسی چیز کا ہوگا وہ موجود ہوگی اور اللہ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

ایک شخص حضرت بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا میں نے سنا ہے کہ آپ کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا غافل لوگ اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ ان کی دُعا قبول ہو جاتی ہے یا زمین ان کے قدموں کے نیچے پیٹ لی جاتی ہے۔ فرمایا اے عزیز سن دُعا تو کافروں اور مشرکوں کی بھی قبول ہو جاتی ہے تو پھر مومن کے متعلق کیا شک ہو سکتا ہے کہ اس کی دُعا قبول نہ ہوگی۔ سائل نے عرض کیا میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ ہوا میں اُڑنے لگ جاتے ہیں اور پانی پر بھی چلتے ہیں۔ فرمایا اے عزیز ہوا میں تو لاتعداد پرندے اُڑتے ہیں اور پانی میں لاتعداد جانور دوڑتے

پھرتے ہیں۔ بندہ مومن تو تمام پرندوں اور جانوروں سے افضل ہے بلکہ اللہ کے نزدیک مومن کی شان تمام آسمانوں اور زمینوں سے افضل ہے بلکہ عرش و کرسی سے بھی اور باقی تمام مخلوق سے بھی مومن کی شان افضل ہے۔

حضرت احمد بن حربؒ نے ایک آدمی کو مصلیٰ دے کر حضرت بایزیدؒ بسطانیؒ کی بارگاہ میں بھیجا۔ آپ نے خادم کو واپس کر دیا اور فرمایا احمد بن حرب کو کہہ دینا کہ یہ مصلیٰ آپ کو مبارک ہو اور ایلچی سے فرمایا کہ میں نے تمام زمینوں کی عبادتیں اور تمام آسمانوں کی عبادتیں جمع کر دیں اور اولین و آخرین کی عبادتیں شامل کر دی ہیں۔ ان عبادتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خادم نے جا کر تمام واقعات عرض کر دیا۔ احمد بن حرب نے دوبارہ اسی خادم کو بھیجا اور کہا جا کر بایزیدؒ سے کہہ دینا کہ قافلہ چلا گیا ہے اور آپ ابھی تک استراحت فرما ہیں۔ ایلچی نے اسی طرح آ کر عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ ایک شخص اس طرح کا ہے کہ تمام رات سو یا رہتا ہے اور قافلہ تمام رات بے سکون ہو کر سفر طے کرتا ہے۔ جب پڑاؤ پر صبح اُترتا ہے تو سونے والا ان سے پہلے وہاں حاضر ہوتا ہے۔ ایلچی واپس چلا گیا پھر احمد بن حربؒ نے ایک تکیہ دے کر روانہ کر دیا اور کہا اگر مصلیٰ نہیں لیتے تو یہ تکیہ لے لیں تاکہ آرام کرتے وقت یہ تکیہ سر کے نیچے رکھ لیں گے۔ آپ نے اس کو بھی واپس کر دیا اور فرمایا جس کا تمام جسم تکیہ بنا ہوا ہے اس کو تکیے کی کیا ضرورت ہے اور فرمایا اے بندہ مسکین یاد رکھ! فضیلت والے عملوں کی کثرت پر فخر کرتے ہیں اور ان اعمال کو بڑا سمجھتے ہیں۔ معرفت والے اگرچہ آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کے عملوں کو اعلیٰ کریں اور ازل سے

ابد تک عمل کریں بارگاہِ ربانی کے لئے معرفت کی نظر میں حقیر و قلیل ہوتا ہے اور ان تمام کو اتنا بھی خیال نہیں کرتے جتنا کہ ایک رائی کے دانے کا مقام آسمانوں اور زمینوں میں ہوتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک لوگوں کو اللہ کی جانب دعوت دی یعنی تبلیغ فرمائی، اس خیال پر کہ لوگوں کو اللہ کی بارگاہ میں لوٹا کر لے جاؤں لیکن یہ ناممکن ہوا کہ میں عوام کو اپنے مقصد کے مطابق لے جاتا۔ ایک دن میں رونے لگا اور میں نے عرض کی الہی تو جانتا ہے کہ میں تیس سال تک تیری مخلوق کے ساتھ مشغول رہا ہوں اور تیری محبت کی بناء پر میں نے ان کو تبلیغ کی اور ان پر سخت محنت کی جہاں تک میں قادر تھا۔ اب تو ان کو دیکھ اور تو ان کا خالق ہے۔ اس التجا کے بعد اللہ کی طرف سے آواز آئی کہ اے بایزید کب تک تو میری مخلوق کے ساتھ مشغول رہے گا اور مجھ سے دور رہے گا۔ ہم نے ہی ان کو ان کاموں پر لگا رکھا ہے جو ہم نے چاہا ہے۔ اے بایزید کیا تو اس بات پر قادر ہے کہ مخلوق کو پیدا کرے اور اپنی ذات میں وحدت پیدا کرے؟ میں نے اپنی عجز و انکساری کا اقرار کر لیا، میں نے عوام کو چھوڑ دیا اور پوری طرح میں اپنے رب کی طرف ہو گیا اور یہ نہایت عجیب بات دیکھی کہ تمام لوگ اللہ کے پاس حاضر تھے اور میں ان کے پیچھے کھڑا ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ اے میرے پیارے اللہ یہ تمام مخلوق تیری ہے اور تو ان سب کا خالق حقیقی ہے اور تو ہی ان سب کا مالک ہے۔ میرا کوئی حق نہیں کہ تیری بارگاہ میں تیرے اور تیرے بندوں کے معاملہ میں کسی طرح کا دخل

marfat.com

ایک دن کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ کی دُعا کبھی فوراً بھی قبول ہوئی ہے؟ فرمایا ہاں قبول ہوئی ہے۔ سائل نے عرض کیا وہ کونسی دُعا تھی؟ فرمایا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو بھول گیا تھا۔ ایک دن میں کچا سیب کھا رہا تھا مجھے کہا گیا کہ اے بایزید آج تجھ کو یاد نہیں رہا کہ تیرا رب ہے اور تجھے اپنے رب کو یاد کرنا ہے۔ عرض کیا کہ میں اپنے رب کو یاد کرتا ہوں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤں لیکن یہ ناممکن ہے کہ بایزید کو اللہ کریم یاد نہ رہے اور فرمایا کہ یاد رکھو! ہر چیز کی ایک روح ہے اور معرفت کی بھی ایک روح ہے۔ معرفت کی روح اللہ کو یاد رکھنا اور غیر اللہ کو بھول جانا ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ کس وجہ سے معرفت روح انسان پر واضح نہیں ہوتی اور اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف راغب ہو کر مجرد ہو جانا ہے۔ فرمایا تعلقات کا اللہ کریم سے وابستہ کرنا اور غیر اللہ سے تعلقات کو ختم کرنا اور اللہ کریم سے اپنی ہر اُمید رکھنا اور غیر اللہ سے کوئی بھی اُمید نہ رکھنا معرفت کا لازمی جزو ہے۔

میں ابوالقاسم تمہیں کہتا ہوں کہ اے اللہ والو! میں نے بایزیدؒ کے جس کلام کو تمہارے سامنے نقل کیا ہے اس کلام کے معنی اور الفاظ کلام کے ان اسرار کو خوب سمجھو اور حضرت بایزیدؒ کے لطیف اشارات کی نورانیت کو خوب حاصل کرو اور آپ کے کلام کی عبارتوں میں جو مخفی خزانے ہیں ان کو تلاش کرو۔ حضرت بایزیدؒ کے حالات زندگی، کلام اور معرفت کے اشارات کو

جمع علم ہے لیکن یہ ناممکن تھا کہ ان تمام کو بیان کر دوں اس لئے کہ مجھے آپ کی غیرت کا بڑا خیال ہے اور اس بات کا بھی خیال ہے کہ کوئی بات آپ کی شان کے خلاف نہ ہو جائے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جو لوگ اس کے اہل ہوں گے ان کو صحیح معنی میں ان کی نورانیت کا علم ہو جائے گا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اس کلام سے واقف ہو جائیں گے اور اللہ کریم ان کو حضرت بایزیدؒ کے علم و کلام سے واقف کر دے وہ اللہ کریم کے خاص بندے ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے اس کو برگزیدہ فرمائے گا۔ آمین ثم آمین

ابوالقاسم حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں اے اللہ والو سنو! اگر میں کہوں کہ عارف اللہ کریم کا عظیم سمندر ہیں اور عارفوں کی ہمت بلندی اس سمندر کی موجیں ہیں یہ موجیں خود سمندر سے اُٹھتی ہیں اور تمام کی تمام اسی میں گم ہو جاتی ہیں اور سمندر ایک قائم پانی ہے جس کو موجیں اصلی مرکز سے دور نہیں کر سکتیں اور تمام پانی سمندر کی لہروں میں جمع ہو جاتا ہے اور اس کی موجیں جس قدر زیادہ اُٹھتی ہیں اسی قدر سمندر کے پانی کو بیرونی کدورتوں کو آزاد اور صاف کرتے ہیں۔

اسی طرح عارف کو ہمت کی موجیں تمام کدورتوں اور شہوانی لغزشوں سے پاک و صاف کرتی ہیں۔ عارف کا بدن پاک و صاف ہو کر قابلِ انوارِ تجلیات ہو جاتا ہے۔ ہمت کی عظیم موجوں سے عارف کی طبیعت میں نفاست، روح میں بلندی اور حرکات و سکنات اور ارادات میں طہارت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام کی تمام اللہ کریم کا ہو جاتا ہے اور اس میں

یہ موچیں ہمیشہ اٹھتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی تکوین باقی نہیں رہتی اور حق باقی رہتا ہے۔ یہ مقام حاصل ہو جانا رازِ عظیم کا قائم ہونا ہے۔ اگر ہمت بلند ہے تو حالتِ اعلیٰ ہے اور اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے ترکِ دنیا اور عالمِ دنیا کے تمام تعلقات سے کنارہ کرنا ضروری ہے اور نفسانی خواہشات کا ترک اس راہ میں قرض کی طرح ہے۔ حدیث شریف میں ترکِ دنیا کی دلیل ثابت ہے۔

حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ دنیا اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ حضور ﷺ کے سامنے پیش کی گئی اور اس عنایت پر نہ حساب و کتاب اور نہ اللہ کے خزانوں میں کوئی کمی آئی لیکن حضور سرورِ عالم ﷺ نے قبول نہ فرمایا اور نہ ہی دنیا کی جانب التفات فرمایا۔ یہ بلندیِ ہمت کی دلیل اور کمالِ جرأت کا مظاہرہ ہے۔

اسی طرح ترکِ دنیا فرما کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دست بدعا ہوئے۔

اللہم انی اشبع یوماً راجوع یومین .
 ”اے اللہ مجھے پسند ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور
 دو دن فاقہ کروں۔“

حقیقت میں جب حضور نبی کریم ﷺ نے دنیا سے سفر فرمایا تو اس وقت حضور ﷺ کا پیٹ تین دن سے جو کی روٹی کا ایک لقمہ کھانے سے خالی تھا۔

پس نہ ان لوگوں کے لئے جاوید اللہ سے ہم آخرت سے

بے نیاز ہیں اور حق ہمارا ہے اور ہم حق کے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے دوست ہیں وہ ہمارا دوست ہے اور کہا کرتے ہیں کہ ہم کونین کی جانب کبھی نظر نہیں کرتے اور نہ جنت کو دیکھتے ہیں۔ اگر ان کی طرف آپ دیکھیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ کھاتے ہیں اور پیتے ہیں، سوتے ہیں اور جاگتے ہیں، ہنستے ہیں اور کھیلتے ہیں اور ہر طرح کے پاک و ناپاک چیزیں کھا جاتے ہیں اور کلام ان کا زہد و تقویٰ پر ہوتا ہے اور لوگ ان کا جھوٹا کلام سن کر اللہ کی طرف پناہ پکڑتے ہیں اور ان کی عوام میں تصدیق کرتے ہیں اور زبان پر یہ دعویٰ برابر جاری رہتا ہے کہ وہ ہمارا دوست ہے اور ہم اس کے دوست ہیں اور دوست کبھی دوست کی خواہش میں رکاوٹ نہیں بنتا اور دوست کبھی اپنے دوست کو پریشانی میں نہیں دیکھتا اور دوست کبھی دوست کو غم میں نہیں دیکھتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ دوست کبھی کسی دوست کو خوفزدہ کرے اور نہ دوست کسی دوست کے سوا کسی چیز میں مشغول ہو کر دوست سے غافل ہوتا ہے (نماز روزہ وغیرہ) اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ دوست، دوست کو کسی نعمت سے محروم کر دے اور خیر اور شر کا اجر اس طرح ادا نہ ہو سکے جس کی بناء پر دل کو دوست کی طرف رنج ہو۔

اس طرح کے کلام کو اہل معرفت کے کلام کے ساتھ ملا کر جاہلوں میں اپنے آپ کو مشہور کر لیتے ہیں اور اہل غفلت میں اپنے آپ کو کامل ثابت کرتے ہیں اور پھر یہ جھوٹ مریدوں پر ظاہر ہو جاتا ہے اور وہ ان مکار بیروں سے نفرت کر جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوتے ہیں کہ تعالیٰ کے حکم میں انہیں پتھر بنا کر پھینک دیتے ہیں اور اللہ کے

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔“

پس اللہ کا خوف دلوں میں پیدا کر لو اور جب تم پر یہ بات واضح ہو گئی ہے تو کسی طرح تمہارا حق نہیں کہ تم اپنے آپ کو امن والا خیال کرو، جب تک کہ اللہ کی طرف سے تم کو امن کی اطلاع نہ ملے۔ کہیں وہ بات نہ ہو جائے جو ابلیس کے ساتھ ہو گئی تھی کہ ابلیس اپنے آپ کو انوارِ عصمت میں خیال کرنے لگا اور اس طرح اپنے غلط خیال کی وجہ سے سخت فریب کھا گیا اور ہلاکت میں جا گرا۔ فریب ہی نے عبادت کی بناء پر اپنے آپ کو محفوظ خیال کر لیا اور یہ پتا نہ تھا کہ اللہ کے علم نے میرے لئے کیا فیصلہ کیا ہوا ہے اور کس مقام پر رکھا ہوا ہے۔ علم الہی نے اس کو تمام فتنوں کے پیدا ہونے کے بیج کی طرح رکھتا ہوا تھا اور جب وقت آ گیا تو علم الہی نے اپنا کمال ظاہر کر دیا اور ابلیس پر وہ اثر پیدا ہو گیا جو ارتکابِ فتنوں سے ابلیس کے ذمہ لگا ہوا تھا اور وہ بات صاف صاف ظاہر ہو گئی جو ابلیس کے ساتھ وابستہ تھی۔ اگرچہ ابلیس نے اپنی ذات کو انوارِ عصمت و عبادت کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔

اسی طرح بلعم بن باعورہ تھا کہ اس پر مدت دراز تک انوارِ ولایت پر جوش تھا لیکن علم الہی میں وہ بد بخت اور اہل عذاب سے تھا۔

قارون پر اس کثرت سے نعمتوں کا نزول ہوا کہ وہ سخت متکبر ہو کر چھوڑ دیا گیا اور علم الہی میں وہ زہرِ غضب تھا۔ انعامات مٹ گئے اور گرفت مضبوط ہو گئی اور اس بات پر اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

اسی طرح کئی نیک لوگ اوقاتِ نیک میں جانے والے حجاب میں آ گئے۔ یاد رکھو! اہل حجاب اگر علم الہی میں عبادت اور انوارِ عصمت کو یاد رکھیں، نہیں،

لیکن جب نشہ اتر جائے گا تو احساسِ درد ہوگا۔ محبوب کی مصیبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے یہ ہمیشہ ثابت نہیں رہتی۔

وہ شخص جو گناہ میں چلا گیا ہو اس کا حق ہے کہ اپنی مصیبتوں کو تلاش کرے اور قرآنِ حکیم نے جو وعدے اور تشدیدیں بیان کی ہیں ان کو غور سے پڑھیں۔ میں نے قرآنِ حکیم کے تمام وعدوں و وعیدوں میں سے اس آیت سے بڑھ کر کسی آیت کو نہیں پایا اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔

كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ط

”ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو ان لوگوں کا خیال ہے بلکہ یہ

لوگ قیامت کے دن پردوں میں ہوں گے۔“

اے میرے عزیز بھائیو! اگر تم نے دُنیا کو چھوڑ دیا ہے اور دُنیا کو چھوڑنے پر فخر کر رہے ہو۔ اللہ کی توفیق کی بجائے اپنی ہمت خیال کرتے ہو لہذا یاد رکھو دُنیا سے بڑا دُنیا دار بھی یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم نے ترک دُنیا کیا ہے اور اگر ہم نے گناہ چھوڑ دیا ہے تو خواہش گناہ چھوڑنے کی پیدا کر کے تم نے اس پر فخر کیا اور تعجب و تکبر کیا تو یاد رکھو تعجب و تکبر گناہ ترک کرنے کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اب یہ خیال چھوڑ دو کہ میں نے دُنیا کو چھوڑا ہے یا میں نے گناہ کو چھوڑا ہے۔ یہ خیال چھوڑ دینا کامل دُنیا کو ترک کرنا ہے اور یہ خیال کرنا کہ ہم نے گناہ چھوڑا ہے اور اگر تم نے خوف کیا اور یہ خیال کر لیا کہ ہم نے خوف کیا ہے اور خوف سے امن کو اختیار کر لینا فساد ہے۔ وہ فساد جس کا قلبی خوف ہے۔ اگر ان تمام باتوں میں تم نے اللہ کریم پر توکل اختیار کر لیا اور اب توکل کی باتیں اور پیمانے اور پیمانے نہیں تو

یہ توکل نہیں بلکہ ایک مصیبت ہے جو توکل کے لفظ سے پیدا کر لی گئی ہے۔ اگر تم نے محبت اختیار کی اور محبت کو کافی خیال کر لیا اور محبوب کی پہچان سے خالی رہے تو اس طرح کی محبت، محبت نہیں ہو سکتی۔ محبت تو اس وقت ہوگی جب محبت اور محبوب میں صحیح طور پر واسطہ ہو جائے اور اگر تمہیں قرب حاصل ہو گیا ہے اور ذات رب العالمین کو چھوڑ کر صرف قرب کو دیکھنا شروع کر دیا اور عوام سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے قرب حاصل ہے اور اس خیال میں پڑ جانا کہ میں قرب میں ہوں تو یہ اصل میں دوری کی علامت ہے اور اس کا خیال کرنا وحشت و خوف ہے۔ ذکر کے ذکر پر فخر کرنا کہ میں نے ذکر کیا ہے یہ نسیان ہے۔

معرفت حاصل ہونے پر فخر کرنا بہت بڑا نقصان ہے۔ عبادت و صدقات کو دکھا کر کرنا کہ ہم نے یہ صدقہ کیا ہے یہ ایک فریب ہے۔ کتنے وہ لوگ ہیں جو تعریف سننے اور اپنی تعریف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ اسی طرح خود پسندی انسان کو مغرور اور محبت سے دور اور مصیبت و غم کے قریب کر دیتی ہے اسی طرح خود پسندوں میں پڑنے والے اللہ کریم سے دور اور غافل ہو جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ نہ صدقہ روح باقی رہتی ہے اور نہ عرفان نفس حاصل ہوتا ہے بلکہ جاہل رہتے ہیں اور صبح و شام خیال و ہم میں پڑے رہتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کریم کی طرف سے ہے لیکن جب آخرت کی تاریخ آ جائے گی اور مقدمہ پیش ہو جائے گا تو ان لوگوں کے پاس معرفت کی دولت میں سے کچھ نہیں ہوگا اور حسرت و ندامت اس طرح وارد ہوگی کہ اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وبداهم من اللہ مالہم یكونو یحتسبون .
 ”اور ان پر ظاہر کر دیا جائے گا جس کو وہ قابل گمان بھی نہ
 سمجھتے تھے۔“

کتنے ہیں وہ لوگ جن کو اللہ کریم نے اولیاء اللہ کے لباس سے زینت
 دی اور وہ اہل تقرب کا لباس حاصل ہونے پر اپنے آپ کو بساطِ ولایت کا
 خیال کر لیتے ہیں اور صفاءِ اوقات کو کمال خیال کرتے ہیں تو بھی اللہ کی طرف
 سے استدراج ہے۔ پھر ان کو نہ چھوڑا اللہ نے مگر اقبال حاصل ہوا یہاں تک
 کہ ان کو حقائق حاصل ہو گیا۔

کس قدر وہ لوگ ہیں جن کو لباسِ عداوت پہنایا گیا ہے اور یہ لوگ
 دوری کی زندگی میں پڑے ہیں۔ ان کو اللہ کریم نے حقائق کی جانب دعوت
 دے دی ہے اور وہی لاتا ہے اور لے جاتا ہے (انہ ہو بیدئی وبعید) یعنی
 کبھی اپنے اولیاء کو اعدا کا لباس دیتا ہے اور اعدا کو اولیاء کا لباس پہناتا ہے
 اور ان کو صفاتِ ولایت ہے اور ان کو حقائق کی معلومات کی طرف لے جاتا
 ہے اور وہ اپنے تمام ارادوں کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے فضل کا اظہار کرتا
 ہے اور اہل فضل پر عدل کر لیتا ہے۔ یہ بات نہیں کہ ان کو دنیا کی عیش حاصل
 نہیں بلکہ دنیا کا آرام بھی عطا فرماتا ہے اور کبھی عیش و آرام کی بجائے ان
 لوگوں کی دنیاوی مرادیں اور اوقات کا آرام موقوف کر دیتا ہے۔ یہاں تک
 کہ جگر گرم رنگ زرد ہو جاتا ہے اور جسم کی طرفیں بیکار ہو جاتی ہیں اور عقل
 بھی بیکار اور دل آزمائے جاتے ہیں اور مخلوق کے دین سے بالکل بے خبر ہو
 جاتے ہیں۔

مخلوق سے مست رہتے ہیں۔ یہ عجب بات ہے کہ اکثر لوگ ان عظیم خطرات سے بے خبر ہیں اور خطراتِ راہِ سلوک اور آفاتِ معرفت سے بے خبر ہیں یہاں تک کہ شرمندگی میں رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام اوصاف میں یہ صدیقین بننا جاری رہتی ہے اور نقصان کی وادیوں میں بہہ جاتے ہیں اور گمراہی کے رنج میں جا پڑتے ہیں۔

اے اللہ والو سنو! اگر تم سفر میں ہو تو کون سی چیز ہے جو عاجز کرتی ہے، روکتی ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہان کی نعمتیں دی ہیں اور ان تمام نعمتوں کو حاصل کر کے تم حجابِ کفر میں جا رہے ہو اور اپنے رب سے بے خبر ہو۔ کتنے آدمی اس طرح کے ہیں کہ اللہ کریم نے ان کو عزت و جاہت، دولت اور بادشاہت دی ہے اور ہر نعمت ان کے پاس موجود ہے اور ان لوگوں کی نظروں میں یہ قابلِ عزت ہیں اور وہ اللہ کریم کے پسندیدہ لوگوں میں شامل ہیں اور صاحبِ عنایت ہیں اور کبھی یہ باتیں بھی اللہ کی طرف سے استدراج ہو جاتی ہیں اور یہ عزت قائم نہیں رہتی اور اللہ کریم حقائق کی جانب بدل لیتا ہے اور ان کو اس طرح عرفانِ معرفت حاصل ہوتی ہے، انہوں نے کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا کہ یہ مقام ملے گا۔

کتنے وہ عالم ہیں جن کے پاس علم و حکمت، فصاحت و بلاغت موجود ہے۔ گفتگو کی چاشنی سے معرفت کے اسرار کو واضح کرتے ہیں اور قوتِ علمی کمال ذہنی اور فہم و فراست کے ساتھ چالاک کی طبعی کے ساتھ علوم کو بیان کرتے ہیں اور جب عوام میں یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے اور اس طرح ہے

ہے اور یہ تصور پیدا ہوتا اللہ کی طرف سے استدراج ہے اور یہ لازمی نہیں کہ عالم اس طرح استدراجی کیفیت میں ہمیشہ رہے گا، ہو سکتا ہے کہ اللہ کریم اس کو بدل دے اور اس طرح عالم حقائق کی طرف آجائے اور کسی وقت اس پر اللہ کریم کی مہربانی شامل حال ہو کہ استدراج سے نکال کر اپنی اصلی منزل میں لے آئے۔

اسی طرح کتنے عابد ہیں کہ وہ ذکر کرنے میں لگے رہتے ہیں اور کتنے اللہ سے ڈرنے والے ہیں کہ ان پر خوفِ الہی طاری ہوتا ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

اور کتنے ڈرنے والے اور اہل حال پر ہلاکت طاری ہوگی اور ان پر ”شر“ کا نزول ہوا۔ وہ لوگ جن پر نعمتیں نازل ہوتی رہیں اور انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے، کتنے وہ لوگ ہیں جو صرف اپنی تعریف کروانے کے لئے صوفی اور عالم بنے، عابد و زاہد اپنی شکل و صورت فقیروں کی بنا کر بیٹھے تاکہ تعریف کرائیں، جب حالت یہ ہے تو عابد کے لئے لازمی ہے کہ اوقات پر بھروسہ نہ کرے اگرچہ ان کے تمام ظاہر و باطن صاف ہوں اور کسی وقت اپنے آپ کو اللہ کی طرف سے آزمائش آجانے سے امن میں نہ رکھے بلکہ ہر وقت آزمائش اور فتنہ سے ڈرتے رہیں اور اس کی پناہ اختیار کریں۔ اللہ کی دوستی قائم و دائم ہوتی ہے۔

اور کتنے اس طرح کے شیخ ہوں گے جن کو مرید جمع کرنے کا شوق ہے اور مریدوں کی ایک بڑی جماعت جمع کر کے نہایت خوش ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود مجرم و گناہگار ہوں گے اور ان کے نظام میں

خرابی پیدا کر کے ملعون رہتے ہیں۔ بے شک اللہ کریم کے پاس ولایتِ غیبی کا نظام ہے اور چھپی تدبیر ہے اور غفلت میں غضب کا نزول ہے اور دیر کرنے میں جدا ہونے کا ڈر ہے۔

اے عزیز بھائیو! کبھی فریب نہ کھا جانا کہ اللہ کی طرف سے جن باتوں کا اظہار ہو رہا ہے وہ تم نہ جانتے تھے کہ اس حسین لباس میں استدراج ہو رہا ہے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ کی طرف سے استدراج کا قیام انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو غافل ہو جاتے ہیں۔ استدراج کا نزول تم نہ جانتے ہو۔ اللہ کی اس آیتِ کریمہ پر غور کرو کہ

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝

حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ اے فریب کھانے والو نعمتوں پر اس طرح مغرور نہ ہو جانا اور کبھی اکڑنے کی کوشش نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ماتحت انتقام ہیں اور کتنے فیصلے انتقام کے ہوتے ہیں۔ اور جن کے حالات بہتر ہوں اور اوقات صحیح ہوں لازماً ان کے لئے بشریت کی ظلمت اور بہت سے حقائق کی غفلت موجود ہوتی ہے۔

حضرت یحییٰؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اچھے اوقات کے خیال میں سرکش نہ ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اوقات کے نیچے نہایت بڑی بڑی آفتیں موجود رہتی ہیں۔ عارفوں میں کسی عرفان ۱۰۔ لے کی یہ دُعا ہے کہ الہی میں نے جب کبھی کہا اور یہ گمان کیا کہ میں نے حقیقت کو پالیا ہے تو اسی وقت میں اصل مقصود سے گم ہو جاتا تھا اور جب کبھی میں نے یہ گمان کر لیا کہ میں کھو گیا ہوں اپنے مقصد سے تو www.marfat.com تیرے سوا مجھے

کوئی اطمینان اور سکون بخشنے والا نہیں اور نہ میرے لئے یہ ممکن ہے کہ تیرے
 سوا کسی سے محبت کروں۔ اے اللہ ہم تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں اور تیری
 بارگاہ میں فریاد کرتے ہیں اور تیری طرف اپنی تمام تمنائیں پیش کرتے ہیں۔
 (آمین)

بغداد کا مدرسہ تصوف

ہم حضرت سری سقطیؒ اور حارث المجاہدیؒ کو اس مدرسہ تصوف کا بانی قرار دے سکتے ہیں۔ ان دونوں کی تعلیمات کا مرکزی تصور عقیدہ توحید تھا لیکن یہ حضرات اس موضوع پر اس قدر بلند مقام سے گفتگو کرتے تھے کہ عوام الناس کی فہم سے بالاتر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات عام مجالس میں گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے گھروں میں مخصوص لوگوں کے سامنے توحید کے اسرار و رموز بیان کرتے تھے۔ ابوطالب مکیؒ کا قول ہے کہ حضرت جنیدؒ کی نجی مجلسوں میں زیادہ سے زیادہ بیس افراد ہوتے تھے اور عمر کے آخری حصہ میں وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اب لوگوں میں توحید کے حقائق و معارف حاصل کرنے کا شوق بہت کم ہو گیا ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فارسی الاصل تھے جبکہ حضرت حارث المجاہدیؒ عرب، لیکن دونوں سنی مسلمان تھے اور اسلام کی راسخ اور مروجہ روایت کے پیروکار تھے۔ جہاں حضرت سقطیؒ توحید کے بارے میں اپنی جرأت مندانہ تحقیق کے پیش نظر اس مدرسہ کے ترقی پسند جزو کی نمائندگی کرتے تھے وہاں حضرت مجاہدیؒ اپنے سوچے سمجھے ہوئے اعتدال اور عملی زندگی کے اخلاقی معاملات میں دلچسپی رکھنے کے باعث روایت پسند جزو کے نمائندہ تھے۔

بغدادی مدرسہ تصوف کا اصل موضوع جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے ”توحید“ ہی تھا۔ انہوں نے اس سلسلے میں اپنے خاص عقائد اور اصول وضع کرنے اور ان کا ایک الگ نظام قائم کیا اور وہ منجی طور پر ان کی تعلیم دینے لگے۔

وہ اپنے خیالات اور تعلیمات کا اظہار اشاراتی زبان میں کرتے تھے۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت جنید تصوف کے موضوع پر جن لوگوں سے گفتگو کرتے تھے ان کی تعداد صرف بیس تک ہی محدود تھی کیونکہ انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی تعلیم بہت رازدارانہ قسم کی ہے اور اگر اس کو عام کر دیا جائے تو یہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ جب اپنے کسی دوست کو خط لکھتے تو الفاظ کا انتخاب بڑی احتیاط سے کرتے۔

اسی طرح کے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں!

”تمہارے ساتھ تبادلہ خیال میں مجھے یہ خطرہ تھا کہ میرا خط کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ لگ جائے جس کے پاس وہ علم ہی نہ ہو جو تمہارے پاس ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اصفہان میں اپنے ایک دوست کو خط لکھا، کسی نے اسے کھول لیا لیکن اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔ جس کا مجھے بہت افسوس ہوا، انسان کو ان لوگوں کے معاملے میں رحم دل ہونا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے ساتھ وہ بات کرے جو ان کی سمجھ میں آسکے..... تمہیں اپنی زبان کے معاملے میں محتاط رہنا چاہئے اور اپنے ہم عمروں کو سمجھنا چاہئے۔ لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ ایسی بات کرو جو وہ سمجھ سکیں اور ایسی بات کو چھوڑ دو جو ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔“

ابن نصر سراج اپنی "المعراج" میں اس زمانے کے

صوفیاء اپنی تعلیمات مخفی رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں!

”عمر بن عثمان المکیؓ کے پاس کچھ ایسی تحریریں تھیں جن کے اندر مخصوص اور مخفی علم کی باتیں درج تھیں لیکن ان کے ایک شاگرد کے ہتھے چڑھ گئیں۔ وہ انہیں لے کر بھاگ گیا۔ جب عمر بن عثمان المکیؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ اگر اس نوجوان نے ان تحریروں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تو اس کے ہاتھ پاؤں اور سر قلم کر دیے جائیں گے۔ حضرت عمر المکیؓ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔“

جس نوجوان نے وہ تحریریں چرائی تھیں وہ حسین بن منصور حلاج تھا جسے بعد میں اسی بناء پر قتل کر دیا گیا۔ حسین بن منصور حلاج بعد میں حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ منصور حلاج اسی وجہ سے قتل ہوا کہ اس نے صوفیاء کی مخفی تعلیمات عام لوگوں کو بتادی تھیں۔

ان واقعات سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں بغداد کے صوفیاء کس طرح اپنی تعلیمات کو عوام الناس سے چھپانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عام لوگوں میں ان کو سمجھنے کی استعداد نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حقیقت الوہیت کے راز کو افشاء کرنا ایک بدعت اور مذموم حرکت ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ القاء و الہام کے اندر جو راز ہے وہ اگر فاش کر دیا جائے تو علم کا وجود باقی نہیں رہتا اور اگر علم کے راز کھول دیئے جائیں تو علم طبعی کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا۔

بدعت اور خلاف شرع نظر آنے کے باعث راسخ العقیدہ لوگوں کو اس کی تعلیم بے حد دشوار ہے۔

حضرت جنید کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے تیسری صدی ہجری کے آخر میں بغدادی مدرسہ تصوف کافی مصائب سے دوچار ہوا اور صوفیوں کے متعلق بدگمانی کا آغاز ہو گیا تھا۔ فقہاء نے ان پر یہ عام الزام لگایا کہ وہ طہد، کافر اور بدعتی ہیں اور الحاد، اتحاد، آواگون اور حلول کے ماننے والے ہیں۔ خود حضرت جنید کو بھی مورد الزام ٹھہرایا گیا۔

ابونصر سراج لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرت جنید کو بہت سی چیزوں کا بہت گہرا علم تھا اور اس کے باوجود انہیں ایک بلند مرتبہ دینی بزرگ سمجھا جاتا تھا اور اس لحاظ سے وہ بہت محترم تھے اور اس کے ساتھ ہی ذہنی مرتبہ کے لحاظ سے بھی وہ اتنے ہی باعظمت سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر مذہبی احکامات و عبادات کی پابندی کی، ان تمام چیزوں کے باوجود بعض علماء اور فقہاء انہیں بھی شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ غلام الخلیل نامی ایک شخص نے خلیفہ بغداد الموفق کے دربار میں صوفیاء کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ چنانچہ جب خلیفہ کے دربار میں تحقیق احوال کے لئے صوفیاء کو طلب کیا گیا تو حضرت جنید نے اپنے آپ کو مشغلہ کے اعتبار سے محض یہ کہہ کر اپنی جان بچائی کہ میں تو اصلاً ایک محدث اور فقیہ ہوں۔

طبقہ صوفیاء پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ لوگ عشق الہی کے مسئلہ پر بحث و مباحثہ کیا کرتے ہیں جبکہ خدا اور بندے کے درمیان کسی قسم کا عشق ممکن نہیں اور خدا کے بارے میں عشق کا لفظ استعمال کرنا ایک صریح بدعت ہے۔ غلام

انجیل کے نزدیک عشق صرف مخلوق کی ہی صفت ہے نہ کہ خالق کی اور کوئی بھی یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ مجھے خدا سے عشق ہے اور خدا تعالیٰ کو مجھ سے۔

اس کے برعکس طبقہ صوفیاء بشمول حضرت جنیدؒ یہ کہتے تھے کہ خدا اور انسان کے درمیان محبت کا تعلق قائم ہو سکتا ہے لیکن خدا اور انسان کے درمیان یہ رشتہ محبت اس وقت تک ایک عام اور مسلم عقیدہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صوفیاء پر جو الزام لگایا گیا اس کی اصل بنیاد تو یہی تھی مگر اس کے ساتھ دوسرے الزامات کا بھی ذکر کیا گیا مثلاً یہ کہ صوفیاء تو ہم پرستانہ اور وحدت الوجودی نظریات کا پرچار کرتے ہیں۔

ابونصر سراج لکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ کے ایک دوست جن کا نام سمون تھا ”عاشق“ کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ شخص بہت حسین و جمیل تھا اور بڑے دل لبھانے والے انداز میں بات کرتا تھا۔ سمون کی ایک مریدنی کو اپنے اس خوبصورت پیر سے عشق ہو گیا۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ عورت اس پر عاشق ہے تو اس نے اسے اپنے حلقہ سے نکال دیا۔ یہ عورت حضرت جنیدؒ کے پاس گئی اور ان سے دریافت کیا ”تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جسے میں نے خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا تھا لیکن دیکھنے والوں کی نظر میں خدا تو غائب ہو گیا صرف انسان ہی انسان سامنے رہ گیا۔“ حضرت جنیدؒ اس عورت کی بات کا مطلب سمجھ گئے لیکن انہوں نے جواب نہ دیا۔ یہ عورت دراصل سمون سے شادی کرنا چاہتی تھی لیکن جب اس نے بڑے غرور اور بے نیازی سے اسے اپنے حلقے سے باہر نکال دیا تو یہ عورت غلام انجیل سے پاس گئی اور کہنے لگی کہ وہ فلاں فلاں لوگوں کے حلقہ ارادت میں شامل

ہوئی تھی لیکن ان لوگوں نے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ غلام اکتیل نے یہ اور کچھ دوسری شکایت جن کا ذکر پیچھے کیا گیا ہے لے کر ان صوفیاء کے خلاف خلیفہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی بغداد نے یہ مقدمہ خلیفہ کو بحیثیت سپریم جج ہونے کے منتقل کر دیا۔ خلیفہ نے غالباً یہ دیکھ کر کہ ان کے خلاف کافی شہادت موجود نہ تھی صوفیاء کو ان الزامات سے بری کر دیا۔

صوفی حضرات اگرچہ بری کر دیئے گئے اور انہیں کوئی جسمانی گزند نہیں پہنچا۔ تاہم یہ مقدمہ جس کے پیچھے رائے عامہ کے ایک حصے کی تائید بھی شامل تھی۔ جو بغداد کے مدرسہ تصوف کے لئے ایک نہایت ہی نقصان دہ چیز ثابت ہوئی جس سے اس مکتبہ فکر کے شیوخ اور زیادہ کنارہ کش ہو گئے اور محتاط رہنے لگے۔

اس قسم کے واقعات کی بناء پر حضرت جنید نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اپنی تعلیمات کو مخصوص لوگوں تک محدود کر دیا اور ہر شخص پر اس بات کو واضح کر دیا کہ تصوف دراصل قرآن و حدیث پر مبنی ہے چنانچہ ان کا یہ قول بعد میں آنے والے تمام صوفیاء نے نقل کیا ہے کہ ”ہمارا طریقہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ کے رفقاء

بغداد کے مدرسہ تصوف سے اس وقت کافی ممتاز شخصیتیں وابستہ تھیں۔ جو یا تو حضرت جنیدؒ کے احباب و رفقاء تھے یا ان کے تلامذہ تھے۔ ان کی تفصیل جو کتابوں میں ملتی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

ابو الحسین احمد ابن محمد النوری الخراسانیؒ

ابو الحسین احمد ابن محمد النوریؒ کا خاندان دراصل خراسانی تھا۔ مگر وہ خود بغداد میں پیدا ہوئے اور یہیں تربیت پائی۔ یہ حضرت سری سقطیؒ کے مرید تھے اور مسلک تصوف سے متعلق تمام معاملات میں حضرت جنید کے ہم خیال اور متفق تھے۔ حضرت جنیدؒ اور النوریؒ میں گہری دوستی تھی اور حضرت جنیدؒ ان کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔

روایت ہے کہ ان کا نام نوری اس طرح پڑا کہ جب وہ کسی تاریک کمرے میں بات کرتے تو یوں لگتا گویا وہ پورا کمرہ ان کی روحانیت اور ان کے قول کی سچائی کے نور سے جگمگا اٹھا ہے۔ نوریؒ اپنے وجدان سے اپنے مریدوں کے باطنی احوال جانچ لیا کرتے تھے۔ حضرت جنیدؒ ان کے متعلق کہتے تھے کہ!

”ابو الحسین لوگوں کے دلوں کی بات جانتا ہے۔“

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویریؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:—
”اور بعض ان کی طریقت میں مشاغل پیش آئے۔“

شریعت میں اماموں کے امام، تصوف والوں کے شاہ اور تکلف کی آفت بڑی ابوالحسن احمد بن محمد الحراسانی النوریؒ احسن المعاملات اور امین الکلمات اور اظہر المجاہدات تھے اور ان کا ایک مذہب مخصوص ہے تصوف میں اور ایک گروہ ہے متصوف سے کہ ان کو نوری کہتے ہیں جو اقتدا اور توتلی ان کے ساتھ کرتے ہیں اور جملہ متصوفہ بارہ گروہ ہیں اور ان سے دو مردود ہیں اور دس مقبول ہیں۔ ایک ان میں محاسبیاں اور دوسرا قصادیان، تیسرے طیفوریاں ہیں، چوتھے جنیدیاں، پانچواں ثوریاں، چھٹے سہیلیاں ہیں، ساتویں حکیمیاں، آٹھویں خرازیاں، نویں حنیفیاں، دسویں ستاریاں اور یہ سب محققوں سے ہیں اور یہ اہل سنت وجماعت سے ہیں لیکن وہ دو گروہ جو مردود ہیں ایک حلولیاں ہیں جو حلول اور امتزاج سے منسوب ہیں اور سالمیاں اور مشبہ ان سے ساتھ متعلق ہیں اور دوسرے سلاجیاں ہیں جن کا مذہب ترک شریعت ہے اور انہوں نے الحاد اور بے دینی کا طریقہ اختیار کیا اور مردود ہو گئے..... اور ابوالحسن نوریؒ رفیق جنیدؒ کے تھے اور سری سقطیؒ کے مرید اور بہت مشائخوں کا دیکھا تھا اور ان کے ساتھ بیٹھے تھے اور احمد بن محمد الحراسانیؒ کو دیکھا تھا اور ان کی

ہیں..... اور حکایتوں میں، میں نے پایا کہ ایک وقت احمد نوریؒ نے گھر میں ایک جگہ پر کھڑے ہو کر تین دن رات شور کیا تو لوگوں نے حضرت جنیدؒ سے کہا کہ اٹھئے اور ان کے پاس آئیے (حضرت جنیدؒ حضرت نوریؒ کے پاس آئے) اور کہا اے ابوالحسن اگر تو جانتا ہے کہ اس کے ساتھ شور کرنا فائدہ دیتا ہے، کہہ تاکہ میں بھی خوب شور مچاؤں اور اگر جانے تو کہہ، (اپنی) رضا بدل، سو مند ہے تو رضا کو اختیار کر تاکہ تیرا دل خرم (خوش) ہو۔ حضرت نوریؒ خروش (شور) سے رُک گئے اور کہا کہ!

”اے ابوالقاسم تو ہمارے واسطے اچھا معلم ہے۔“

اور ان سے منقول ہے کہ کہا ”سب سے زیادہ عزیز ہمارے زمانے میں دو چیزیں ہیں۔ ایک عالم جو اپنے علم کے ساتھ کام کریں اور دوسرا عارف کہ اپنی حقیقتِ حال سے بات کہے یعنی ہمارے زمانے میں علم و معرفت دونوں عزیز ہیں اس سبب سے کہ علم بغیر عمل کے، علم نہ ہو اور معرفت بغیر حقیقت کے، معرفت نہ ہو۔“ (کشف المحجوب)

حضرت نوریؒ میں حضرت جنیدؒ کی سی احتیاط نہیں تھی۔ اس لئے انہیں حکام کے ہاتھوں بھی سزا ملی اور لوگوں کی سختیاں بھی انہیں برداشت کرنی پڑیں۔ روایت ہے کہ حضرت جنیدؒ نے ان کے واسطے کہ بعد ایک دفعہ کہا!

کے متعلق گفتگو نہیں کی۔“

حضرت جنیدؒ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ انہیں نورؒ کے پہلو میں دفن کیا جائے لیکن ان کی یہ وصیت پوری نہ ہوئی۔ ابوالحسین احمد ابن محمد النورؒ نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔

ابوسعید الخرازؒ

ابوسعید احمد ابن عیسیٰ الخرازؒ حضرت جنیدؒ کے ایک اور دوست تھے۔ ان کا شمار بغداد کے اس وقت کے سربراہ آوردہ صوفیوں میں ہوتا تھا۔ یہ بھی حضرت سری سقطیؒ کے شاگرد اور مرید تھے۔ یہ ان صوفیاء میں شامل ہیں جنہوں نے تصوف پر کتابیں لکھیں۔ خاص طور پر ان کی کتاب ”الصدق“ جس موضوع پر علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسئلہ بقاء اور فناء سب سے پہلے انہوں نے سمجھایا۔ وہ نفس کشی اور ریاضت پر سختی سے کار بند تھے۔ حضرت جنیدؒ نے ایک دفع ایک مجلس میں کہا کہ!

”اگر خدا ہم سے اسی عمل کا تقاضا کرتا جو خرازؒ کیا کرتے

ہیں تو ہم اس عمل کی کوشش میں تباہ ہو جائیں۔“

حاضرین میں سے کسی نے پوچھا!

”وہ کونسا عمل ہے جس پر حضرت خرازؒ کار بند ہیں۔“

حضرت جنیدؒ نے جواب دیا!

”وہ اپنی کھڑکی پر سالہا سال بیٹھے کام کرتے ہیں لیکن کیا

مجال کہ کسی تانے اور بانے کے درمیان خدا کا نام لینا نہیں
بھول جائے۔“

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویریؒ لکھتے ہیں!
”اور بعض ان میں سے تو نکل و رضا کے سفینہ اور طریق فنا
کے سالک ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخرازؒ تھے جو مریدوں کے
احوال بیان کرنے والے اور طالبوں کے اوقات کی برہان
تھے۔ پہلے آپ فناء اور بقاء کے طریق کو بیان کرتے تھے
اور آپ کے مناقب مشہور ہیں اور ریاضت اچھی
ہے..... آپ نے حضرت ذوالنون مصریؒ کو پایا اور
بشر حافیؒ اور سری سقطیؒ کے ہم صحبت تھے۔ ان سے منقول
ہے کہ دلوں کی پیدائش اس شخص کی دوستی پر ہے کہ اس کے
ساتھ اچھائی کرے یعنی جو کوئی کسی کے مقابلہ میں بھلائی
کرے بالضرور وہ شخص اس نیکی کرنے والے کو دل میں
دوست رکھے گا۔ (کشف المحجوب)

حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ الخرازؒ نے ۲۷۷ھ میں وفات پائی۔

ابن عطاء العدیؒ

حضرت ابو العباس احمد بن محمد ابن عطاء العدیؒ حضرت جنیدؒ کے ایک
اور ہم نشین تھے۔ دونوں کے درمیان گہرے قلبی تعلقات تھے۔ مگر آخر عمر میں
ان کے درمیان اختلاف برپا ہو گیا تھا۔ یہ اختلاف صرف رائے فقرو غنا کے مسئلہ

پر پیدا ہوا۔ ابن عطاء کی رائے یہ تھی کہ قیامت کے دن اہل ثروت (دولت مندوں) کا مرتبہ زیادہ بڑا ہوگا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ انہیں بلا کر ان سے کہے گا کہ وہ حساب دیں کہ کس طرح انہوں نے اپنی دولت کو خرچ کیا۔ جب وہ یہ حساب دیں گے تو بغیر کسی درمیانی واسطے کے اس ذاتِ اقدس کا حکم بھی سنیں گے، جو ایک ملامت کی شکل میں ہوگا اور ملامت ہمیشہ ایک محبوب کی طرف سے عاشق کو کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس حضرت جنید کے خیال میں اہل فقر کا مرتبہ اونچا تھا۔ وہ ابن عطاء کی دلیل کا جواب یہ دیتے تھے کہ اگر وہ اہل ثروت کو حساب پیش کرنے کے لئے کہے گا تو غرباء و فقراء کو بھی بلا کر کہے گا کہ ان لوگوں کو معاف کر دیں اور معافی کے لئے بلایا جانا حساب پیش کرنے کے لئے بلائے جانے سے کہیں بہتر ہے۔

دونوں کے درمیان اس مباحث کو حضرت امام غزالی نے ”احیاء العلوم الدین“ میں باب فقر میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عطاء العدی نے ۳۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابو محمد رُویم ابن احمد

حضرت ابو محمد رویم ابن احمد بھی حضرت جنید بغدادی کے قریبی دوست تھے۔ وہ ایک بڑے عالم فاضل اور صوفی تھے۔ قرآن کے علوم و تفسیر میں انہیں دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے تصوف کے موضوع پر متعدد کتابیں

لکھیں جن کے اکثر خوالے ان کے بعد کے زمانے کے علماء و صوفیاء نے بیان کئے ہیں، مگر ان کی اصل کتابیں اب محفوظ نہیں ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے!

طریقت کے اماموں میں سے ایک بزرگ و حید العصر، امام الدہر، حضرت رویم بن احمدؒ ہیں۔ جو اجلہ سادات مشائخ اور حضرت جنیدؒ کے مقربین خاص اور رازداروں میں سے تھے۔ آپ فقیہ الفقہاء حضرت داؤد طائیؒ کے ہم مشرب تھے۔ علم تفسیر و قرأت میں کامل مہارت اور اپنے زمانے میں تمام علوم و فنون میں ایسے منفرد تھے کہ کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ علو حال، رفعت مقام اور نیک خصلتی میں یگانہ روزگار اور ریاضت شدیدہ میں یکتہ و بے مثال تھے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں علائق دُنیا میں طوٹ ہو کر منصب قضا پر فائز ہو گئے تھے۔ آپ کا درجہ در پردہ ہونے سے زیادہ کامل تھا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ ”ہم مشغول عارف ہیں اور رویم مشغول فارغ ہیں۔“ (کشف المحجوب) ابو محمد رویم بن احمدؒ نے ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔

ابوحزہ البغدادیؒ

حضرت ابو حزہ محمد ابن ابراہیم البغدادیؒ حضرت سری سقطیؒ کے حلقہ ارشاد کے ایک فرد تھے۔ وہ بغداد کے سہم آورہ صوفی تھے۔ طبقہ صوفیاء میں

یہ پہلے فرد تھے جنہوں نے عام لوگوں کے جلسوں میں تصوف پر خطاب کیا۔

حضرت علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں!

”اور بعض ان میں سے سراپردہ تمکین اور اساس اہل یقین

ابوحزہ بغدادی البراز کبرا اور مشکلمان مشائخ سے تھے اور

حارث محاسبی کے مرید تھے اور سری سقطی کے ساتھ رہے

تھے اور نوریؒ اور خیر التماج کے قرآن تھے اور مستیمان

مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے.....

بغداد کی مسجد رصافہ میں وعظ کرتے تھے اور بڑے عالم تھے

اور تفسیر اور قرأت میں بے مثل تھے اور ان کی روایت عالی

تھیں پیغمبر ﷺ کی حدیثوں میں، اور وہ وہ تھے کہ واقعہ

نوریؒ اور ان کے بلا کے وقت میں ان کے ساتھ تھے کہ خدا

وند نے سب کو خلاصی دی“ (کشف المحجوب)

حضرت ابوحزہ محمد ابن ابراہیم بغدادیؒ نے ۲۶۹ھ میں وفات پائی۔

عمرو بن عثمان المکیؒ

ابو عبد اللہ عمرو بن عثمان المکیؒ بغداد کے صاحب ثروت خاندان کے

فرد تھے۔ آپ سے بھی حضرت جنیدؒ کے تعلقات تھے۔ مگر جب انہوں نے

قاضی کا منصب قبول کیا تو حضرت جنیدؒ ان سے الگ ہو گئے۔ حضرت جنیدؒ

کے پاس آنے سے پہلے حسین بن منصور حلاج آپ ہی کے شاگرد اور مرید

تھے۔ جس کا مختصر ذکر پیچھے اور www.marfat.com کے شاگردوں

کے سلسلہ میں اس کا ذکر آئے گا۔ حضرت علی ہجویری کشف المحجوب میں لکھتے ہیں!

”اور بعض ان میں سے دلوں کے سردار اور آنکھوں کے نور عمرو بن عثمان المکیؒ طریقت کے سرداروں اور بزرگوں سے تھے اور ان کی تصنیف مشہور ہے ان علوم (تصوف) کی حقیقتوں میں اور ارادت کی نسبت حضرت جنیدؒ کے ساتھ کرتے تھے بعد اس کے ابوسعید خرازیؒ کو دیکھا تھا اور ناجی کے ہم صحبت تھے اور اصول میں امام وقت تھے..... کہتے ہیں کہ جب عمرو اصفہان میں آئے تو ان کی صحبت میں ایک نوجوان آیا کہ اس کا باپ آپ کی صحبت سے مانع تھا یہاں تک کہ وہ بیمار ہوا اور اس کو ایک مدت گزر گئی، ایک روز شیخ اٹھے اور ایک جماعت کے ساتھ عیادت کے واسطے اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے شیخ کو اشارہ کیا کہ تاکہ قوال سے کہیں کہ کچھ شعر پڑھے عمرو نے قوال سے کہا تو اس نے یہ شعر پڑھا، یعنی مجھے کیا ہے کہ جب میں بیمار ہوا تو تم سے کسی نے میری بیمار پرسی نہ کی اور جب تم بیمار ہوئے تو میں بیمار پرسی کرتا ہوں۔ بیمار نے جب یہ سنا تو اٹھ بیٹھا اور اس کی بیماری کم ہو گئی اور کہا زدنسی یعنی اور پڑھ جب قوال نے دوسرا شعر پڑھا کہ مجھ پر بندش تمہارا ہے۔ پس یہ سن کر

بیمار اُٹھ کھڑا ہوا اور بیماری اس سے جاتی رہی اور اس کے باپ نے اس (لڑکے) کو عمرو کی صحبت میں سپرد کیا اور جو خیال کہ اس کے دل میں تھا اس سے توبہ کی اور وہ لڑکا بزرگانِ دین سے ہوا“ (کشف المحجوب)

عمرو بن عثمان المکیؓ کے بہت سے اقوال کو ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے منہاج السنہ اور مدارج السالکین میں نقل کیا ہے۔ آپ نے ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔

محمد ابن اسماعیل خیر النساخ

ابو الحسن محمد ابن اسماعیل زہیر النساخ یا خیر النساخ حضرت سری سقطیؒ کے مرید اور شاگرد تھے اور ایک اُونچے پائے کے شیخ تھے۔ حضرت جنیدؒ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کے بارے میں کہا کرتے تھے ”وہ ہم سے بہترین شخص ہیں۔“ حضرت ابو بکر بن ذلف شیلیؒ اور ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الخواصؒ دونوں حضرت نساخؒ کی صحبتِ فیض سے تصوف کی طرف مائل ہوئے اور مسلکِ تصوف اختیار کیا۔ کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویریؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں!

”اور بعض ان میں سے پیر اہل تسلیم اور طریقِ محبت میں مستقیم ابو الحسن محمد بن اسماعیل خیر النساخؒ بزرگانِ مشائخ سے تھے اور اپنے وقت میں معاملات میں ایک اچھا بیان رکھتے تھے اور عبادتِ خدا اور علمِ دین اور اصلاحِ خلق اور سزا اور

ابراہیم رحمہم اللہ نے بالخصوص ان کی مجلس میں توبہ کی، شبلی نو جنید کے پاس بھیجا خاص کبر حرمت جنید کی حرمت و حفاظت کے واسطے اور وہ مرید سری سقطی کے تھے اور اقران جنید اور ابوالحسن نورئی سے تھے اور جنید کے نزدیک محترم تھے اور ابو حمزہ بغدادی نے ان کا ایجاب تمام کیا تھا اور اس طرح منقول ہے کہ خیر النساخ کہنے کا سبب یہ تھا کہ جب اپنی مواد گاہ سے سامرہ گئے اور ان کا گزر حج کے ارادہ سے کوفہ میں ہوا تو کوفہ کے دروازہ پر ایک دربان نے ان کو پکڑا کہ تو میرا بندہ (غلام) ہے اور خیر نام ہے انہوں نے بہ حق سے دیکھا اور اس مرد کے خلاف نہ کیا، بہت برسوں تک اس کا کام کرتے رہے جس وقت کہ ان سے کہتا ”یا خیر“ یہ کہتے لہیک تو وہ آخر مراد اپنے کئے ہوئے سے پشیمان ہوا ان سے کہا جا میں نے غلطی کی تھی تو میرا بندہ نہیں ہے پس گئے آپ اور اس مرتبہ پر پہنچے کہ جنید نے کہا خیر خیرنا یعنی وہ (خیر النساخ) ہم سب سے بہتر ہیں۔“ ابوالحسن محمد بن اسماعیل خیر النساخ نے کافی طویل عمر پائی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت جنید کے بعد بھی بہت سال زندہ رہے۔

ابو احمد مصعب القلانسیؒ

حضرت ابو احمد مصعب القلانسیؒ بغداد کے صوفیا میں اتنا ہی بلند مقام رکھتے تھے جتنا خود حضرت جنیدؒ۔ آپ کے تلامذہ میں ابو سعید العربیؒ شامل تھے۔ آپ کے بارے میں زیادہ تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی۔ آپ نے ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

احمد ابن مسروقؒ

ابو العباس احمد ابن مسروقؒ طوس کے رہنے والے تھے لیکن انہوں نے بغداد ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ وہ حضرت محاسبیؒ اور حضرت سقطیؒ کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں!

”اور بعض ان میں سے داعی مریدان بحکم فرمان ابو العباس احمد بن مسروقؒ بزرگان اور اجلہ خراسان سے تھے اور جملہ اولیاء کا اتفاق ہے کہ وہ اوتاد الارض تھے اور ان کے قطب المدار علیہ الرحمۃ ہم صحبت تھے۔ ان سے پوچھا ہم سے فرمائیے کہ قطب کون ہے؟ آپ نے ظاہر نہ کیا لیکن حکم اشارہ سے ایسا کیا کہ جنیدؒ ہیں اور انہوں نے چالیس صاحب تمکین کی خدمت کی تھی اور ان سے فائدہ حاصل کیا تھا۔ علوم ظاہر و باطن (محبوب)

آپ نے ۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

ان کے علاوہ ابوالحسن سمنون ابن حمزہ اور ابو جعفر الحداد الکبیرؒ بھی

حضرت جنید بغدادیؒ کے خاص رفقاء میں سے تھے۔

جاتے تھے اور تصوف کے طریق میں سے ایسے تھے کہ جنید نے ان سے کہا تھا کہ میرے مریدوں کو ادب اور ریاضت سکھاؤ اور جنید کے بعد ولی عہد وہ ہی تھے کہ ان کی جگہ بیٹھے۔ (کشف المحجوب)

آپ کی وفات کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ حج پر گئے ہوئے تھے کہ عیر کی جنگ میں مکہ کی شاہراہ پر ایک بھگدڑ مچی جس میں آپ کچلے گئے۔ آپ نے ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر شبلیؒ

ابوبکر دولاف ابن جہداد الشبلیؒ حضرت جنید کے دوسرے مشہور شاگرد تھے۔ جوانی میں خلیفہ بغداد کے مصاحب تھے مگر بعد ازاں ناسخ کی صحبت میں بیٹھنے سے آپ نے تصوف اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے سرکاری ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی اور ناسخ کے حکم سے ہی حضرت جنید کی شاگردی اختیار کر لی۔ شبلیؒ گرم مزاج اور پُر جوش واقع ہوئے تھے۔ حضرت جنید ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ”شبلی ہمیشہ سرشاری ہی میں رہتا ہے اگر وہ ہوش میں رہنے لگے تو ایک ایسا امام ثابت ہو سکتا ہے جس سے ایک خلق کو فیض پہنچے۔“

کہتے ہیں کہ ایک دن شبلیؒ بازار میں داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا!

”دیکھو وہ دیوانہ جا رہا ہے۔“

marfat.com

”تم سمجھتے ہو میں دیوانہ ہوں اور میں سمجھتا ہوں تم بہت ہوشیار ہو۔

خدا مجھے اور دیوانہ کرے اور تمہیں اور ہوشیار بنائے۔“

ایک دن شبلیؒ حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت جنیدؒ

کچھ مغموم بیٹھے ہوئے تھے۔ شبلیؒ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا!

”جو جستجو کرے گا وہ پالے گا۔“

شبلیؒ نے کہا ”نہیں جو پالیتا ہے وہی دراصل تلاش میں رہتا ہے۔“

شبلیؒ کو منصور حلاجؒ سے بہت محبت تھی مگر اس کے باوجود جب حلاج

پر مقدمہ قائم ہوا تو آپ نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اور اس کے موقف کی

مخالفت کی۔ شاید اس لئے کہ اس مدرسہء تصوف کی تعلیمات کو عام لوگوں

سے مخفی رکھنے کی تاکید کی جاتی تھی اور منصور حلاج نے ان باتوں کو سر عام

بیان کرنا شروع کر دیا تھا۔

اصول عقائد کے اعتبار سے شبلیؒ کا مسلک حضرت جنیدؒ کے مسلک

کے مطابق تھا مگر اسلوب گفتگو اور طرز عمل میں دونوں کے درمیان زمین

و آسمان کا فرق تھا۔ روایتی سلسلہ میں وہ حضرت جنیدؒ اور ان کے شاگرد نصر

آبادی کے درمیان کی کڑی سمجھتے جاتے ہیں۔

شبلیؒ نے ۲۳۳ھ میں وفات پائی۔ ان کا مزار بغداد کے محلہ اعظمیہ

میں آج بھی مرجع خلایق ہے۔

ابوالمغیث حسین بن منصور حلاجؒ

حضرت جنید بغدادیؒ کے تلامذہ میں سے سب سے زیادہ شہرت حسین بن منصور حلاجؒ نے حاصل کی۔ ان کا نام حسین تھا مگر اپنے باپ منصور اور پیشے کے لحاظ سے حلاج (یعنی اُون یا روئی دھننے والا) کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ اُردو، فارسی، پنجابی یا سندھی زبان کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے انکا تذکرہ نہ کیا ہو۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے اشعار میں خاص طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ مشہور عارفِ کامل اور پنجابی زبان کے ہر دور میں پڑھے اور سنے جانے والے صوفی شاعر حضرت میاں محمد بخشؒ نے ایک کتاب ”قصہ شاہ منصور“ نظم کی شکل میں لکھی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں!

ح حق منصور حسین والی، اگے عشق دی بات سناو ساں میں
 سچے عاشقانہی گل آکھنے تمہیں، ذرا عشق حقانی نوں پاو ساں میں
 خ خاص خدائیدا مرد آہا، جیساں دا نام منصور حسین یارو
 رہے بحر عرفان دے وچ دُبا، ہر وقت سدا دن رین یارو

حسین بن منصور حلاج کی ولادت تستر میں ہوئی۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد انہوں نے حضرت سہل تستریؒ کی شاگردی اختیار کی۔ بعد ازاں بغداد چلے گئے اور عمرو بن عثمان الکلیؒ کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گئے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا ہے حضرت عمرو بن عثمانؒ نے ان کو بہت سے نصیحتیں دیں۔

کے اندر مخصوص اور مخفی علم کی باتیں درج تھیں۔ حسین بن منصور حلاج کو اس بات کا علم تھا۔ منصور حلاج نے یہ گراں قدر مسودہ جات مطالعہ کے لئے طلب کئے لیکن انہوں نے کہا کہ تم ابھی مبتدی ہو اور مبتدی منزل سے دور ہوتا ہے۔ حسین بن منصور حلاج یہ سن کر آبدیدہ ہو گئے اور سجدہ میں پڑ کر گریہ و زاری کرنے لگے۔ ”اے رب العالمین آخر تیرے بندے مجھ سے بدگمان کیوں ہیں کیا میں تیری نافرمانی کی جرأت کر سکتا ہوں۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں میرے ارادوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا، تو تو دلوں کا حال جانتا ہے۔ میں وہی تو کرتا ہوں جو تو چاہتا ہے۔ تو ہی تو مجھے اس بات پر مجبور کرنے والا ہے کہ میں تیرے راز افشاں کر دوں۔ اے میرے خالق اگر تو بھی ان بندوں کی طرح سوچتا ہے تو مجھے بتا کہ تو نے مجھ جیسے کمزور و ناتواں انسان کو کیوں اس بار سے لادا ہے۔“

حضرت عمرو بن عثمانؓ یہ سن کر غصے میں آ گئے اور حسین بن منصور حلاج کو سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ تو گمراہ ہو چکا ہے جو کچھ تو اپنی زبان سے کہہ رہا ہے اس کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے۔ تم ایک عالم کو گمراہ کر ڈالو گے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس پہلے کہ تم خدا کی زمین میں شر پھیلاؤ وہ خود ہی تمہیں کوئی عبرت ناک سزا دے چکا ہوگا۔

حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ لکھتے ہیں کہ سنخ نامہ کا ترجمہ عمرو بن عثمانؓ کے جائے نماز کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ آپ وضو فرما رہے تھے کہ آپ نے فرمایا ”لے گیا، لیکن جو بھی لے گیا اس کے دست و پا قطع کر کے پھانسی دیا جائے اور اس کو لٹکا دیا جائے۔“ اس سنخ

نامہ سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا کہ وہ اس کے مجید تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔“

منصور حلاج نے اس مسودہ کو پڑھ کر کہا کہ اس میں وہی کچھ لکھا ہے جو میں کہتا ہوں لیکن لوگ مجھے کافر کہتے ہیں۔ کچھ دنوں بعد منصور حلاج حضرت جنیدؒ کے حلقہ میں داخل ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جنیدؒ کو چونکہ علم تھا کہ یہ الہی کے شاگرد ہیں اس لئے انہوں نے پوچھا!

”کس مقصد سے آئے ہو؟“

حلاج کہنے لگے ”آپ کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔“

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ”مگر میں تو دیوانے اور مجبوط الحواس لوگوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حسن صحبت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے ہوش و تمیز میں ہو۔ اگر یہ بات نہ ہو تو اس کا نتیجہ وہی طرز عمل ہوگا جو تم نے سہل تستریٰ اور عثمان الہکی کے ساتھ روارکھا۔“

منصور حلاج نے جواب دیا ”یا شیخ ہوش و سکر (مدہوشی) انسان ہی کی دو صفتیں ہیں اور جب تک انسان کی صفات فنا نہ ہو جائیں وہ خدا سے نہاں اور مستور ہی رہتا ہے۔“

حضرت جنیدؒ نے فرمایا ”اے ابن منصور! تم صحو (ہوش) اور سکر (مدہوشی) کا مفہوم نہیں سمجھے، ہوش تعلق باللہ کی صحیح کیفیت کا نام ہے، ہوش خدا کے معاملے میں انسان کی سلامتی عقل و دلالت کرتا ہے اور بیہوشی

اشتیاق کی شدت اور عشق کی انتہا کو کہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حالت انسانی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اے ابن منصور مجھے تمہاری گفتگو میں زیادہ تر حماقت اور دیوانگی ہی دکھائی دیتی ہے۔

حضرت عمرو بن عثمان المکی نے ایک دن علاج کے بارے میں کہا کہ اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں۔ جب اس کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایک دن میں قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا کہ اسے سن کر علاج نے کہا میں بھی ایسی آیت تصنیف کر سکتا ہوں۔

اگرچہ منصور علاج کی تعلیمات حضرت جنید کی تعلیمات سے مشابہ تھیں لیکن وہ حضرت جنید کے عقیدہ توحید کو ایسے انداز میں پیش کرتے کہ بہت سے مسلمان اس کی تاب نہیں لاسکتے تھے۔ انہوں نے توحید کا خلاصہ ”انا الحق“ کے لفظوں میں بیان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان پر الحاد کے الزام کے تحت مقدمہ چلا تو بہت سے شیوخ نے ان سے اپنی برأت کا اظہار کیا۔ مگر یہ ہمارا موضوع نہیں ہے تفصیلات کے لئے المصلوب، تاریخ تصوف، قصہ شاہ منصور وغیرہ کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ انشاء اللہ اس موضوع پر ایک کتاب ”حسین بن منصور علاج“ عنقریب لکھنے کا ارادہ ہے۔

حضرت علی ہجویری لکھتے ہیں!

”اور بعض ان میں سے معنی میں مستغرق اور دعویٰ کے

متھلک ابو المغیث الحسین بن منصور علاج ہیں جو مشتاقان

اور متان طریقت سے تھے اور کمال قوی اور ہمت عالی

اور خراسان کے بعض اطراف میں ہیں۔“ (کشف المحجوب)
 حسین بن منصور حلاج کو موت کی سزا دی گئی اور ۳۰۹ھ میں انیس
 سولی پر چڑھا دیا گیا بعد میں ان کی لاش کو بھی جلا دیا گیا۔

جعفر الخلدیؒ

حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر الخلدی یا الخلدیؒ بھی حضرت جنیدؒ کے
 تلامذہ میں سے تھے۔ وہ حضرت جنیدؒ کے اصحاب کبار میں سے تھے اور
 تصوف کے فنون میں مستجر اور انفاسِ مشائخ کے حافظ اور ان کے حقوق کی
 رعایت کرنے والے تھے۔ ابو جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت جنیدؒ کے
 پاس آیا اور ان کو بخار میں مبتلا پایا۔ میں نے کہا یا شیخ! حق سے کہوتا کہ تم کو
 آرام آئے۔

انہوں نے جواب دیا ”کل رات میں نے کہا تھا پس مجھے ندا آئی کہ
 تیرا بدن ہماری ملک ہے ہم چاہیں گے تو تندرست رکھیں گے اور ہم نہ چاہیں
 گے تو بیمار رکھیں گے تو کون ہے کہ جو ہماری ملک میں دخل دیتا ہے۔“

(کشف المحجوب)

ان کے علاوہ ابو سعید العربیؒ، ابو علی احمد محمد الرودباری بغدادیؒ،
 ابو بکر محمد ابن القطائیؒ، ابو الحسن علی ابن محمد المزینؒ، ابو محمد عبد اللہ ابن محمد المرثیؒ
 اور ابو یعقوب اسحاق ابن محمد النہر جوریؒ حضرت جنید بغدادیؒ کے مشہور تلامذہ
 ہیں ان حضرات کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہے۔ ان

جنید کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ حضرت جنید ہی وہ آخری شخصیت تھے جنہوں نے تصوف کو باقاعدہ رائج کیا اور بعد میں آنے والے تقریباً تمام لوگوں نے انہی کی پیروی کی۔

حضرت جنید بغدادیؒ کی تصانیف

حضرت جنیدؒ اگرچہ کثیر التصانیف نہیں تھے۔ آپ کی چند تصانیف کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے جن میں سے صرف دو تصانیف اس وقت تک محفوظ خیال کی جاتی ہیں۔ ان کی دو کتابوں کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے

۱۔ کتاب امثال القران

۲۔ کتاب رسائل

ابونصر سراجؒ نے ان کی ایک کتاب ”شرح شطیحات ابی یزید بسطامیؒ“ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے ان کی ایک کتاب ”فتح الارادہ“ کا ذکر کیا ہے۔

آپ کی جو دو کتابیں ”رسائل جنید“ اور چند مزید رسائل ایک اور کتاب کی صورت میں موجود ہیں۔ ان میں رسائل جنید میں!

✽ رسالہ الی بعض اخوانہ

✽ رسالہ الی یحییٰ بن معاذ الرازیؒ

✽ رسالہ الی بعض اخوانہ

✽ رسالہ الی ابی بکر الکسانی الدینوریؒ

✽ رسالہ بغیر عنوان کے

✽ رسالہ الی عمر بن عثمان المکیؒ (نامکمل)

✽ رسالہ الی یوسف بن حسین الرازیؒ (نامکمل)

✽ دواء الارواح

marfat.com

✽ کتاب الفقا

- ✽ کتاب الميثاق
- ✽ کتاب اللوحية
- ✽ کتاب فی الفرق بين الاخلاص والصدق
- ✽ باب آخر فی التوحيد
- ✽ مسله آخری فی التوحيد
- ✽ مسله آخری
- ✽ مسله آخری
- ✽ مسله آخری
- ✽ مسله آخری
- ✽ مسله آخری
- ✽ مسله آخری
- ✽ آخر مسله
- ✽ مسله أدب المختار الى الله
- ✽ کتاب دو التفريظ
- ✽ رساله الى بعض اخوانه
- ✽ مکتوب بنام ابو العباس الدینوری
- ✽ مکتوب بنام ابواسحاق المارستانی
- ✽ رساله الى بعض اخوانه
- ✽ رساله الى بعض اخوانه
- ✽ مکتوب بنام یحییٰ ابن معاذ (ایک حصہ)
- ✽ شرح شطحيات بايزيد بسطامي

مندرجہ ذیل تصانیف وہ ہیں جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ضائع ہو چکی ہیں مگر ان کا ذکر دوسرے مصنفین نے کیا ہے!

✽ امثال القرآن

✽ تصحیح الارادہ

✽ کتاب المناجاة

✽ منتخب الاسرار فی صفات الصديقين والابرار

بعض ایسی تصانیف بھی ہیں جو کہ حضرت جنید سے منسوب کی گئی ہیں مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ حضرت جنید کی تصانیف نہیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

✽ حکایات "عالم"

✽ المحترقات الماثوره عن الجنید و اشبلی والی یزید البطای

✽ مکتوب بنام یوسف بن الحسین

✽ رسالہ فی السکر و رسالہ فی الافاقۃ

✽ کتاب القصد الی اللہ

✽ معالی اللہم (نوٹ) یہ کتاب ہماری اس درج شدہ کتاب میں باب

"حضرت جنید کی تعلیمات و نظریات" میں بیان کی گئی ہے۔ حاجی

خلیفہ کی رائے میں یہ حضرت جنید کی تصنیف ہے جبکہ انگریز مورخین

نے اسے حضرت جنید کی تصنیف ماننے سے انکار کیا ہے۔

✽ السیر فی انفاہ السنین

marfat.com

وفات

حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات کے سلسلہ میں مختلف قول ملتے ہیں۔ سید بشیر احمد سعدی نے آپ کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ ”آپ مرض الموت میں بھی منہ پر تکیہ رکھ کر نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ آپ کے منہ پر ورم تھا۔ کسی نے دریافت کیا کیا ایسی حالت میں بھی نماز نہیں چھوڑی جاسکتی؟ آپ نے فرمایا نماز ہی کے ذریعہ سے خدا تک پہنچا ہوں اس لئے اسے نہیں چھوڑ سکتا اور اس کے چند گھنٹوں بعد آپ مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے دارالفتا سے دارالبقا کی طرف ۲۹۸ھ میں کوچ کیا۔“

محترم جناب خان آصف صاحب نے آپ کا سن وصال ۳۰۲ھ بیان فرمایا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ بعض مؤرخین نے آپ کا سن وصال ۲۹۶ھ اور ۲۹۷ھ بھی بیان کیا ہے۔ میری ذاتی رائے میں سب سے زیادہ قول سن ۲۹۸ھ میں ملتے ہیں اور عوارف المعارف کے مقدمہ میں جناب شمس بریلوی صدیقی نے بھی اسی کو نقل کیا ہے۔ اس لئے آپ کا سن وفات بروز شنبہ ۲۷ رجب ۲۹۸ھ میں ہوا۔ صاحب تاریخ تصوف نے بھی آپ کا سن وصال ۲۹۸ھ بیان کیا ہے۔

(تاریخ ۱۸ مئی ۲۰۰۳ء بمطابق ۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ)



حُسَيْن بن مَنصُور حَلَاجِ رَج

حسین بن منصور حلاجؒ کی زندگی ہمیشہ سے تاریخ کے مختلف ادوار میں زیر بحث رہی ہے اور ان کی شخصیت پر مختلف لوگوں نے اپنا اظہارِ خیال پیش کیا ہے۔ مؤرخین اور اہل تصوف کی نظر میں منصور حلاجؒ کی شخصیت پر ایک نئی تصنیف مولانا حکیم مرزا صفدر بیگ کے قلم سے بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے..... جس میں منصور حلاجؒ کی زندگی، ان کی تعلیمات و نظریات پر سیر حاصل گفتگو کی جائیگی۔

بک کارنر پرنٹرز پبلشرز مین بازار جہلم

فون نمبر دوکان: 624306 فون نمبر ہائس: 614977

ای میل: Bookcornerjm@yahoo.co.in

marfat.com

Marfat.com

ہماری کتابیں پیاری کتابیں

- | | |
|---------------------------------|------------------------------------|
| ● قرآن کی کرنیں | ● طب نبوی ﷺ اور جدید دور |
| ● قصص الانبیاء | ● ذکر اللہ والوں کے |
| ● معجزات مصطفیٰ ﷺ | ● اقوال زریں |
| ● معمولات مصطفیٰ ﷺ | ● روشنی کے مینار |
| ● شان والدین رسول ﷺ | ● عظمت کے مینار |
| ● سیرۃ النبی ﷺ کونز | ● عملیات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ |
| ● انبیاء کرام علیہم السلام کونز | ● بارہ تقریریں |
| ● نعت سرور عالم ﷺ | ● فن تقریر |
| ● سیرت فاطمہ الزہراء ﷺ | ● لبیک (سفرنامہ حج) |
| ● کرامات صحابہ ﷺ | ● عالم اسلام کا انسائیکلو پیڈیا |
| ● احکام شریعت | ● محمد بن قاسم |
| ● ملفوظات اعلیٰ حضرت | ● شیر میسور سلطان ٹیپو شہید |
| ● تذکرہ بابا فرید الدین گنج شکر | ● کلام باہو |
| ● جنتی زیور | ● کلیات اقبال |

بک کارنر پبلسٹریز پرائیویٹ لمیٹڈ

فون نمبر مکان: 624306 فون نمبر ہاٹ: 614977

ای میل: bookcornerjmi@yahoo.co.in

marfat.com

Marfat.com